جلد 6 شمارہ 6 اگست 2004ء جمادی الثانی 1425ھ

قد افلح من تزکیٰ ○ وذکر اسم ربہ فصلیٰ ○ (الاعلیٰ 14-15)

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔



عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

Registerd

CPL No.

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

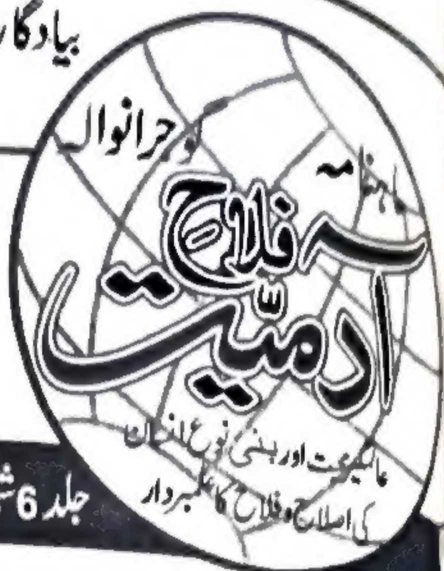
- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ



جلد 6 شمارہ 6 اگست 2004ء جمادی الثانی 1425ھ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ——— -/20 روپے　　سالانہ فنڈ ——— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:0431-862835
Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-881379

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

ابتدائے آفرینش سے آج تک انسان کی سب سے بنیادی ضرورت دل کا چین اور قلب کا اطمینان ہی رہا ہے۔ بلاشبہ انسان کو جسم و جان کے رشتہ کو قائم رکھنے کے لئے غذا کی اور نسل انسانی کو جاری رکھنے کے لئے رشتہ ازدواج کی ضرورت ہے۔ لیکن ان کی حیثیت زندگی کی نہیں، ذریعہ کی ہے۔ یہ ضروری ہیں لیکن اس لئے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح استعمال کر سکے اور بالآخر اسے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر سکون، چین اور اطمینان حاصل ہو سکے۔ غذا اور جنس دونوں کی حیثیت ٹیکنالوجی کی سی ہے جس کا ہدف ان بالاتر مقاصد کا حصول ہے جو انسانی وجود کو معانی بخشتے ہیں۔

انسانی تاریخ کا مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے دو مختلف تصور تقریباً ہر دور تہذیب اور ہر زمانے میں برسرپیکار رہے ہیں۔ ایک وہ جس نے ان ذرائع کے حصول کو اصل مقصد قرار دے دیا اور پھر انسان کو اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کی جدوجہد سے بے نیاز کر کے انہیں کھلونوں میں الجھایا۔ اس کے نتیجہ میں مادی ترقی ضرور رونما ہوئی لیکن نہ فرد روحانی اور اخلاقی بالیدگی حاصل کر سکا اور نہ سماج خیر و انصاف کا گہوارہ بن سکا۔ ہر دور کی جاہلیت کا یہی موقف رہا ہے اور آج بھی مغربی تہذیب کا نقطۂ نظر یہی ہے اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ:

گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے

دور جدید کے ایک نامور فلسفی نے اس صورت حال کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"ہم نے فضاؤں میں پرندوں کی طرح اڑنا اور سمندروں میں مچھلیوں کی طرح تیرنا تو سیکھ لیا ہے لیکن زمین پر انسانوں کی طرح رہنا نہ سیکھ سکے"۔

اور علامہ اقبال نے اس بات کو یوں ادا کیا ہے:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہ کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سر کر نہ سکا

دراصل زندگی کی شب تاریک کو سحر کرنے کے لئے انسان کو ایک دوسرے نظریہ کی

ضرورت ہے جس کے تحت انسان کا اصل مقصد زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کی
نزدگی اور اس کی رضا کا حصول ہو اور پھر وہ زمین پر خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے نیکیوں کا قائم
کرنے والا اور برائیوں کے خلاف جہاد کرنے والا بنے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کے تحت
انسانی جسم و جان اور مادہ اور روح میں حقیقی توازن پیدا ہوتا ہے اور کائنات کی ہر چیز انسان
کی خدمت میں اور انسان خیر وصلاح اور عدل و انصاف کی خدمت میں مصروف ہوتے
ہیں۔ زندگی کا یہ نظریہ جسم کے تقاضوں کو بھی پورا کرتا ہے اور قلب کو بھی اطمینان کی دولت
سے نوازتا ہے اور یہ مطمئن انسان خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے خدا کی زمین پر انصاف کو قائم
کر کے کائنات کو بھی نیکیوں اور شادکامیوں سے بھر دیتا ہے۔ یہی وہ راہ ہے جو ہر دور میں
انبیاء علیہ السلام نے انسانیت کو دکھائی ہے اور جس کی طرف اللہ کے آخری نبی محمد عربی ﷺ
نے نہ صرف انسانوں کو بلایا بلکہ اس کے مطابق ایک معاشرہ قائم بھی کر دیا۔ آج کے انسان
کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ وہ اس راستہ کو اختیار کر سکے جو اطمینان قلب کی
طرف لے جانیوالا ہے اور جس سے انسان خیر کا علمبردار بن جاتا ہے۔

والسلام

وحید احمد

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم عدل و مساوات

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

عدل دنیا کے ہر مہذب معاشرے میں اہم اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ جس معاشرے میں عدل نہ ہو وہ فتنہ و فساد، انتشار و بدامنی اور ظلم و عدوان کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ عدل کیا ہے؟ یہ لفظ عدل سے نکلا ہے، یعنی دونوں اطراف کا برابر کر دینا۔ افراط و تفریط چھوڑ کر درمیان کی راہ اختیار کرنا اور حق دار کو ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا اس کا حق ادا کر دینا یہ عدل کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم میں نظام عدل کو میزان بھی کہا گیا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح اس کائنات کا نظام میزان پر قائم ہے اس طرح آخرت کا نظام بھی میزان پر قائم ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا جو نظام قائم فرمایا ہے اس میں کوئی بگاڑ نہیں ہے۔ سورج، چاند، ستارے اور ہوا غرض سب کے سب ایک خاص نظام کے تحت اپنا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ بنی نوع انسان کو بھی خالق کائنات نے یہی ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں عدل کا نظام قائم کرے کیونکہ جس معاشرے میں عدل نہ ہوگا اس میں کوئی شے بھی درست جگہ پر نہ رہے گی۔ قرآن ایسی حالت کو ظلم و فساد قرار دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اللہ کا نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے وہ انسانی معاشرے کے اس توازن کو خراب نہ کرے۔

عدل کرنا جہاں حکمران اور منصف کی ذمہ داری ہے، وہاں یہ اسلامی معاشرہ کی مجموعی ذمہ داری بھی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: ''اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں) توازن قائم کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تجاوز نہ کر سکو۔ اس لئے عدل کے ذریعے میزان میں وزن پیدا کرو، اور اس میں کمی اور بگاڑ پیدا نہ کرو''۔

اسلامی معاشرے میں جب کوئی فرد ظلم و ناانصافی کا مرتکب ہو رہا ہو تو دوسرے اشخاص کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ خاموش تماشائی کی حیثیت سے غیر جانبداری کا مظاہرہ کریں۔ محض اس وجہ سے کہ وہ خود اس ظلم سے متاثر نہیں ہوا ہے۔ ظلم و ناانصافی کے خاتمہ کے لئے انہیں بہر حال اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ اس لئے کہ ظلم و ناانصافی کا یہ سلسلہ جس معاشرے میں بھی ہوگا، اس میں کسی وقت بھی کوئی فرد اس کا شکار ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ یہ تمام معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ جرم کرنے والے کو سزا دے کر اس ضمانت کو بحال کرے، جس میں سارے اسلامی

معاشرے کی زندگی ہے۔(179:2)

کیونکہ جرم کرنے والے نے ایک مظلوم ہی کے ساتھ نہیں، بلکہ سارے معاشرے کے
ساتھ زیادتی کی ہوتی ہے۔

عدل و میزان میں امیر و غریب میں کوئی فرق نہیں۔ وہ ہر اس مجرم کو سزا دیتا ہے، جس سے
جرم سرزد ہوا ہے اور جو معاشرتی عدل کو درہم برہم کر کے ظلم و فساد کا باعث بنتا ہے۔ قرآن مجید میں
یہودیوں کی اس خرابی کی سختی کے ساتھ مذمت کی گئی ہے کہ وہ امیر اور بڑے آدمیوں سے جرم
ہونے پر اس سے رشوت لے کر، حکم شرعی کو ہلکا کر دیتے ہیں۔

یعنی ان ظالموں نے عدل او انصاف میں امیر و غریب کے لئے الگ الگ پیمانے بنا رکھے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام قرار دیا ہے کہ معاشرے کے با اثر افراد دوسروں کا مال ناجائز
طریقوں سے ہڑپ کرنے کے لئے حکام کو رشوت دیں۔

سورۃ الحدید کی ایک آیہ کریمہ سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام
کو دنیا میں اسی غرض سے بھیجا اور کتاب بھی اسی لئے نازل فرمائی کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم
رہیں۔ ارشاد فرمایا "ہم نے اپنے رسولوں کو صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے
ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں"۔(الحدید۔25)

رحمت عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے عالم انسانیت ظلم و جور، قتل و غارت اور وحشت و بربریت
کا شکار تھا۔ بالخصوص عرب معاشرے میں وہ تمام برائیاں موجود تھیں جو ایک تباہ حال اور بگڑے
ہوئے معاشرے میں پائی جاتی ہیں۔ ایسے ماحول میں رحمت عالم ﷺ نے انسانی معاشرہ میں
حقیقی استحکام پیدا کرنے کے لئے اسلام کا وہ نظام عدل و مساوات پیش کیا، جو معاشرہ کو اجتماعی
برائیوں سے پاک رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ عدل کے بغیر (کہ جس کی بنیاد قانون پر
ہوتی ہے) امن و امان کا تصور ممکن نہیں۔ اس لئے رحمت عالم ﷺ نے ایسے جرائم میں حد مقرر
کی۔ جن کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے۔ مثلاً چوری، زنا، قتل، لوٹ مار، شراب نوشی وغیرہ۔ اس لیے
میں تعزیر و سزا کا حق ان لوگوں کو دیا جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہو۔

قریش مکہ اپنے آپ کو معاشرے کے دوسرے افراد سے اعلیٰ اور برتر خیال کرتے تھے۔ وہ
اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں اور جرموں پر انہیں کوئی

...رسول اللہ ﷺ نے پہلی ضرب ان کے اسی باطل تصور پر لگائی۔ کوہ صفا پر قریش کو جمع کر
...آپ نے جو سب سے پہلا خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں قریش کے تمام قبائل کو مخاطب کر کے
...

اے بنی کعب بن لوی!
اے بنی مرہ!
اے آل قصی!
اے بنی عبد مناف!
اے بنی عبد شمس!
اے بنی ہاشم!
اے آل عبد المطلب!

سنو! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب آنے سے پیشتر خبردار کر رہا ہوں۔ اپنی جانوں کو
...سے بچانے کی فکر کرو۔ میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ (یاد رکھو)
...قیامت کے روز (تمہارے حقیقی) رشتہ دار صرف متقی لوگ ہونگے۔
(دیکھو) ایسا نہ ہو کہ اس روز دوسرے لوگ (جنہیں تم آج حقیر اور کمتر سمجھتے ہو) نیک اعمال
...لے کر آئیں اور تم لوگ دنیا کا وبال سر پر اٹھائے ہوئے آؤ۔ اس وقت تم پکارو گے: "یا محمدؐ! مگر
میں مجبور ہونگا اور تمہاری طرف سے منہ موڑ لونگا"۔

گویا اس روز اللہ تعالیٰ کا نظام ومساوات پوری طرح قائم ہوگا۔ اس روز ذرہ بھر کسی سے رو
...رعایت نہ ہوگی۔ اس روز امیر وغریب میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

اس روز اس بات کا مطلق خیال نہ کیا جائے گا کہ کون دنیا میں اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی
سمجھتا تھا۔ وہاں مساوات ہوگی۔ وہاں بلا امتیاز ہر شخص سے صرف نیک اعمال قبول کئے جائیں
گے۔ عدل ومساوات کا یہی وہ اولین درس تھا، جس نے قریش مکہ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ ناراض ہو کر
...غضب کے ساتھ کوہ صفا سے اٹھ کر آ گئے۔

رحمت عالم ﷺ کی حیات مبارک پر ایک نظر ڈالیں، تو معلوم ہوگا کہ آپ کا عدل اپنے
بیگانے دوست دشمن، امیر غریب، مسلم، غیر مسلم سب کے لئے یکساں اور بلا امتیاز تھا۔ آپ کی

سیرت طیبہ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں کہ آپؐ کے پاس کوئی مقدمہ لایا گیا، جس میں ایک فریق مسلم اور دوسرا غیر مسلم تھا اور آپؐ نے فریقین کے بیان سننے کے بعد غیر مسلم کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ جب تک کسی کے خلاف کامل ثبوت نہ مل جاتا، اس پر حد جاری نہ فرماتے تھے، کامل ثبوت مل جانے کے بعد کسی کی سفارش مانتے، نہ کسی رو رعایت سے کام لیتے۔

بخاری اور مسلم کی اس روایت سے عدل کی وہ اہمیت بخوبی واضح ہوتی ہے جو رحمت عالم ﷺ مکمل غیر جانبداری اور کسی قسم کے امتیاز کے بغیر عدل کو دیتے تھے۔ اس حدیث میں اس اضطراب کا بھی ذکر ہے، جو ایک امیر عورت فاطمہ کو چوری پر دی گئی سزا کے بارے میں بعض اہل قریش میں پایا جاتا تھا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ فاطمہ کے بارے میں کون اللہ کے رسول ﷺ سے بات کرے گا؟ مشورہ کے بعد حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارش کے لئے تیار کیا گیا۔ حضرت اسامہ نے جب اس سلسلے میں سفارش کی تو رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: تم ایک ایسی سزا (حد) کے بارے میں سفارش کر رہے ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔ یہ کہہ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرامؓ کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب صحابہؓ جمع ہو گئے تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: لوگو! جس طرز عمل نے تمہارے پیشروؤں کو تباہ کیا وہ یہ تھا کہ جب ان میں سے اونچی حیثیت رکھنے والا کوئی شخص چوری کرتا تو اسے نظر انداز کر دیا جاتا لیکن جب ان میں سے کوئی کمزور شخص یہ حرکت کرتا تو اس پر مقرر کردہ سزا عائد کر دی جاتی۔ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ بھی کٹوا دیتا۔
(بخاری۔ کتاب الحدود)

کسی انسان کا اپنے بارے میں از خود یہ ناحق تصور کر لینا کہ وہ دوسرے انسانوں سے بہتر ہے یا ان پر فوقیت رکھتا ہے، نہایت غلط اور سراسر شیطانی تصور ہے۔ اس ابلیسی تصور کا ذکر ہمیں قرآن مجید میں اس طرح ملتا ہے:

''شیطان نے کہا، میں اس (آدم) سے بہتر ہوں کیونکہ مجھ کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کو مٹی سے''۔ (سورۃ ص: 76)

شیطان کے اس نسلی اظہار تفاخر کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اچھا (اگر تیری سوچ یہ ہے تو) تو یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے، اور تیرے اوپر یوم جزا تک میری لعنت ہے"۔ (ص:77)

رسول اللہ ﷺ نے جو مثالی معاشرہ قائم کیا، اس میں بنیادی حقوق کے اعتبار سے سب انسانوں کے درمیان مساوات تھی، میزان عدل میں سب برابر تھے۔ نسل، رنگ، خون، زبان، خاندان، اور ذات برادری کی بنیاد پر کوئی ادنیٰ یا اعلیٰ نہ تھا۔ معاشرت "معیشت" تمدن غرض ہر میدان میں اسلامی معاشرہ میں رہنے والوں کے حقوق برابر تھے۔ عزت وفضیلت کا معیار صرف اور صرف خدا خوفی تھا۔ میدان عرفات میں خطبہ حجۃ الوداع میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، اور تمہارا باپ بھی ایک ہے اور کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کی بدولت، بے شک تم میں اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے"۔

اسلام کے نزدیک بنیادی حقوق کے اعتبار سے تمام انسان برابر ہیں، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تمام انسان آپس میں برابر ہیں، جس طرح کنگھی کے دانتے۔

اسلام نے انسانوں کے خود ساختہ نسلی تفاخر پر یہ کہہ کر کاری ضرب لگائی کہ:

"اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف خاندانوں اور برادریوں میں (محض اس لئے) تقسیم کر دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو (یعنی باہمی تعارف کا ذریعہ بنالو) ورنہ درحقیقت تم میں عزت والا وہی ہے، جو پرہیز گار ہے"۔ (سورۃ الحجرات 13)

انسانی غرور ونسب کا خاتمہ کرنے کے لئے آپ نے عملی اقدام یہ فرمائے کہ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارث سے کر دیا اور اپنی بنت عم ضباعہؓ بنت زبیر بن عبدالمطلب کو ایک غریب الوطن صحابی حضرت مقداد بن الاسود کندی کے ساتھ بیاہ دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے برپا کردہ اسلامی معاشرہ میں حبش کے غلام بلالؓ اور شاہان ایران سے نسبی تعلق رکھنے والا بازان برابر تھے۔ ان میں عزت و بزرگی محض تقویٰ کی بنیاد پر تھی۔ یہی وجہ تھی حضرت عمر فاروقؓ حضرت بلال حبشیؓ کو دیکھ کر فرماتے: بلالؓ ہمارے آقا کے غلام اور ہمارے آقا تھا"۔

رسول اللہ ﷺ دین و دنیا کے تمام امور میں اپنے صحابہؓ کے ساتھ مل کر کام کرتے اور کبھی پسند نہ فرماتے کہ دوسرے لوگ تو کام کرتے رہیں اور آپ آرام سے بیٹھے رہیں مسجد نبوی کی تعمیر کا مرحلہ ہو، یا جنگ کے دوران خندق کی کھدائی کا موقعہ۔ آپ ہر کام میں اپنے صحابہ کے ساتھ شریک کار رہتے، حتیٰ کہ غزوات میں شہید ہونے والے صحابہ کی تدفین کے لئے قبریں بھی اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر کھودتے۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل غلاموں، نوکروں اور زیر دستوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا تھا، آپؐ نے ان کے بارے میں خاص طور پر حکم دیا کہ:

''غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے زیر دست کیا ہے پس جس شخص کے بھائی کو اللہ تعالیٰ (اس کے) زیر دست کر دے اس کو چاہیے کہ جو وہ خود کھائے اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے اس کو بھی پہنائے''۔ (بخاری و مسلم)

اسلامی انقلاب کا مقصد یہ تھا کہ معاشرہ میں انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی احکام الٰہی کے مطابق بسر ہو۔ اسلام نے تقویٰ کی شرط کو اسی لئے معیار فضیلت قرار دیا کہ معاشرہ میں اس منصب پر فائز معزز لوگ قیادت کا فریضہ انجام دیں اور لوگوں کو بھی خدا خوفی کی راہ پر چلائیں۔ تقویٰ کی صفت رکھنے والا انسان خواہ نکٹا حبشی ہی کیوں نہ ہو، اسلام نے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو فرض قرار دیا ہے۔ رحمت عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر تم پر نکٹا حبشی بھی امیر مقرر ہو اور وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہیں چلائے تو تم اس کی بات ماننا اور اس کی اطاعت کرنا۔ گویا اسلام میں کسی ایسے سربراہ یا امیر کی اطاعت فرض نہیں ہے جو تقویٰ کی اعلیٰ صفت سے متصف نہ ہو اور جو کتاب اللہ کے علاوہ امت مسلمہ کو کسی دوسرے راستے پر چلائے۔

اسلامی عدل و مساوات کے یہی وہ سنہرے اور درخشاں اصول تھے، جنہوں نے ایک ایسے معاشرے کو جو ذلت و گمراہی کے گھپ اندھیروں میں پھنسا ہوا تھا، ہدایت کی وہ لازوال روشنی عطا کی، جس میں اس نے سکھ اور اطمینان کا سانس لیا، بلاشبہ آج بھی سکھ اور چین اسلام کے عطا کردہ اسی نسخہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

معاشرے کے لئے ضروری دینی اصلاحات

مفتی محمد شفیع

2 قانون

دوسرا اہم مسئلہ قانون کی اصلاح کا ہے اس سلسلہ میں احقر کو چند باتیں عرض کرنی ہیں۔

(ا) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے پاس ایک ایسا قانون موجود ہے جو بلاشبہ دنیا کے ہر قانون سے زیادہ مستحکم اور مضبوط ہے اور اسے نافذ کئے بغیر دنیا عدل وانصاف اور امن و سکون سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے جدید تقاضوں کے مطابق مدون ومرتب کر دیا جائے اور عصر حاضر میں جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں قرآن وسنت اور اجماع وقیاس کی روشنی میں ان کا حل تلاش کیا جائے۔

اسی مقصد کے لئے پاکستان کے نئے دستور میں اسلامی کونسل قائم کی گئی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ایک بات جو پہلے ہمیشہ نظر انداز کی جاتی رہی ہے اسے اس بار بھی مطلق پیش نظر نہیں رکھا گیا اور وہ یہ کہ کوئی ادارہ خواہ کتنے اچھے مقاصد کے لئے کتنی نیک نیتی سے قائم کیا جائے اگر اس کے رجال کار اس کے مناسب نہیں ہیں تو اس سے کبھی مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہوسکتے۔ اگر ملک کے معاشی مسائل کو حل کرنے کے لئے اعلیٰ درجے کے ڈاکٹروں کا ایک بورڈ بنایا جائے یا کسی طبی مسئلہ کی تحقیق کے لئے ملک بھر کے ماہرین معاشیات کو جمع کر لیا جائے تو یہ اپنے انسانی وسائل کا ایسا غلط استعمال ہے۔ جس کا نتیجہ تضییع اوقات اور محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ اسی طرح اگر ملک کے لئے قرآن وسنت کی بنیاد پر قوانین بنانے ہیں تو اس کے لئے ایسے افراد کی ضرورت ہے جو قرآن وسنت کے علوم میں گہری بصیرت اور ان کا وسیع تجربہ رکھتے ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کونسل میں جدید ماہرین قانون اور ماہرین معاشیات کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن بنیادی طور پر یہ کام چونکہ قرآن وحدیث اور فقہ سے متعلق ہے اس لئے اس میں ایسے افراد کی بھاری تعداد ناگزیر ہے جو ان علوم میں ماہر ہوں اور امت ان کی علمی بصیرت پر اعتماد کرتی ہو۔ اس کے برخلاف جو کونسل اس وقت بنائی گئی ہے اس میں ایسے اہل علم کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہے، اس طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے اور اگر اس بنیادی کام میں اس وقت ایسے حضرات

شامل نہ ہو سکے جو اس کام کے واقعی اہل ہیں تو خطرہ ہے کہ یہ ساری کوشش رائیگاں نہ چلی جائے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس مرتبہ دستور میں جو اسلامی کونسل بنائی گئی ہے اس کا کام صرف اسمبلیوں یا حکام کے سوالات کا جواب دینا نہیں ہے۔ بلکہ سات سال کی مدت میں موجودہ قوانین کو بدل کر ایسا مجموعہ قوانین مدون کرنا ہے جو اسلام کے عین مطابق ہو ظاہر ہے کہ یہ ایسا کام ہے جس کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت اور محنت درکار ہے اس لئے اگر اس کونسل کا طریق کار پہلے کی طرح یہ رکھا گیا کہ پہلے دو مہینے کے بعد چند روز کے لئے کونسل کا کوئی اجلاس ہو اور ختم ہو جائے تو یہ کونسل اپنے فرائض انجام نہیں دے سکے گی۔ یہ کام اس وقت ممکن ہو گا جب کہ اہل علم کی ایک بڑی تعداد دوسرے تمام کاموں سے فارغ ہو کر ہمہ تن اس مقصد کی طرف متوجہ ہو اور اپنا پورا وقت اسی کام کو دے اور چونکہ کونسل کے بیشتر اراکین اپنی دوسری معروفیات کی بنا پر پورا وقت اس کام میں نہیں لگا سکیں گے اس لئے اس کونسل کو اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک ادارے کی ضرورت ہے یہ ادارہ ایسے ذی استعداد اور صاحب بصیرت علماء ماہرین قانون اور ماہرین معاشیات پر مشتمل ہونا چاہیے جو ہمہ وقتی طور پر کام کر سکیں تاکہ کونسل کے اجلاس کے وقت بنیادی کام پہلے ہو چکا ہو اور کونسل کے اراکین اس پر بحث و تمحیص کے ذریعہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اگر کونسل سے کوئی مفید کام لینا ہے تو کونسل کے تحت یہ ادارہ فوراً قائم ہونا چاہیے اور اس کو تمام ضروری وسائل مہیا کرنے چاہئیں۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ قانون خواہ کتنا بہتر بنا لیا جائے جب تک اس کو نافذ کرنے والے ادارے جاندار، فعال اور متحرک نہ ہوں وہ قانون بے کار ثابت ہو گا۔ اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ پولیس اور عدالتوں کا طریق کار اس قدر پیچیدہ، مشکل الحصول اور گراں ہو گیا ہے کہ بسا اوقات ایک عام آدمی کو ظلم پر صبر کر لینا عدالت تک پہنچنے کی بہ نسبت آسان معلوم ہوتا ہے۔ ہماری عدالتوں میں جو طریق کار آج کل رائج ہے اس کی بنا پر معمولی معمولی مقدمات سالہا سال تک لٹکتے رہتے ہیں اور اگر بالفرض کوئی اور بدعنوانی نہ ہو تب بھی اتنی طویل مدت تک عدالت کے چلر کاٹنے اور اس کے اخراجات برداشت کرنے کا حوصلہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پاس دولت کے انبار اور فرصت و ہمت کے ذخائر موجود ہیں لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ

...ہوں کے ضوابط اور طریق کار پر نظر ثانی کر کے انصاف کے حصول کو آسان اور مفت بنایا
...ے۔ اس غرض کے لئے ماہر اور تجربہ کار ججوں پر مشتمل ایک بورڈ بنایا جاسکتا ہے جو اپنے تجربات
...روشنی میں عدالتی ضوابط پر تنقیدی نظر ڈال کر انہیں تبدیل کرنے کے لئے اپنی مفصل سفارشات
...کرے اس بورڈ میں ایسے علماء کو بھی شامل کیا جائے جنہیں قضاء شرعی کا علم یا تجربہ ہو کیونکہ
...کے نظام عدالت میں بہت سی ایسی سہولتیں موجود ہیں جن سے کام لے کر موجودہ پیچیدہ
...طریق کار کو آسان بنایا جاسکتا ہے اور اسکے لئے قضاء شرعی کے ماہرین کی رہنمائی ضروری ہوگی۔

(۴) اسلامی قوانین کے نفاذ میں ترتیب ایسی قائم کرنے کی ضرورت ہے جس سے وہ
...میں پہلے نافذ ہوں جن کی عملی تنفیذ آسان ہو اور ان کا فوری فائدہ عوام کو پہنچے مثلاً دیت (خون
...) قصاص اور نفقات وغیرہ کے اسلامی قوانین ایسے ہیں جنہیں نافذ کرنے میں حکومت کو مطلقاً
...عملی دشواری پیش نہیں آئے گی نہ کوئی مالی بار پڑے گا اور اس سے قتل و غارت گری اور ٹریفک
...حادثات نمایاں طور پر کم ہو جائیں گے اور متاثرہ افراد کو بھاری رقمیں مل سکیں گی۔

(۵) عورتوں سے متعلق قوانین کی طرف بھی فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ موجودہ عائلی
...قوانین کہنے کو عورتوں کی مشکلات ختم کرنے کے لئے نافذ کئے گئے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی
...سے عورتوں کی مشکلات میں زبردست اضافہ ہو گیا ہے جس کا شب و روز دار الافتاء میں پہنچنے
...والے سوالات سے اندازہ ہوتا رہتا ہے لہٰذا ان عائلی قوانین کو فوراً تبدیل کر کے انہیں اسلام کے
...مطابق بنایا جائے اور عورتوں کے لئے عدالت تک پہنچنے کا راستہ آسان کیا جائے ان کے لئے
...خانہ عدالتیں قائم کرنے کے علاوہ گشتی عدالتوں کے قیام کی بھی ضرورت ہے۔

3۔ نشر و اشاعت

نشر و اشاعت کے شعبے کی اہمیت تعلیم سے کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ ہمارے ملک میں جہاں
...کی اکثریت ناخواندہ یا کم پڑھی لکھی ہے نشر و اشاعت کے وسائل ہی ایسی چیز ہیں جو ان کے
...دماغ کو متاثر کر کے ان کی تربیت کر سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم نے چند گنے چنے مواقع کے
...اپنے نشر و اشاعت کے وسائل سے اپنے دینی، قومی اور اجتماعی مقاصد کے لئے نہ صرف
...خواہ کام نہیں لیا بلکہ اگر زیادہ صاف گوئی سے کام لیا جائے تو انہیں اپنے مقاصد سے بالکل

الٹی سمت استعمال کیا ہے اس سلسلے میں چند تجاویز ذیل میں پیش خدمت ہیں۔

(۱) نشر واشاعت کے وسائل میں سب سے زیادہ وسیع دائرہ اثر ریڈیو کا ہے جسے دور دراز کے دیہات میں ان پڑھ سے ان پڑھ آدمی بھی سنتا ہے لیکن فی الوقت ریڈیو کے غالباً ستر فیصد بلکہ شاید اس سے بھی زائد پروگرام موسیقی وغیرہ کی نذر ہو جاتے ہیں اگر دردمندی اور حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو یہ طریقہ وہی قوم اختیار کر سکتی ہے جو اپنے حال اور مستقبل سے بے فکر ہو کر اپنے عوام کو صرف کھیل تماشوں کی راہ پر لگانا چاہتی ہو حالانکہ اگر ریڈیو کو صحیح استعمال کیا جائے تو یہ کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے تعلیم وتربیت کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے کی کتنی بدعنوانیاں ایسی ہیں جو صرف جہالت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں خاص طور سے دین ومذہب کے معاملے میں جہالت کا تو یہ عالم ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی دین کی ابجد تک سے ناواقف ہیں۔ اگر ریڈیو کے پروگرام میں تعلیم وتربیت کو اولین مقام دیا جائے تو بہت سی معاشرتی برائیوں میں نمایاں کمی واقع ہو سکتی ہے۔

(۲) ریڈیو سے جو مذہبی پروگرام ہوتے ہیں ان کا فائدہ بھی اس لئے بہت محدود ہو گیا ہے کہ اول تو اس میں بہ کثرت ایسے رجال کار سے کام لیا جاتا ہے جو دین سے پوری طرف واقف نہیں ہوتے دوسرے مقررین پر گوناگوں پابندیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ دین کے بارے میں چند مجمل اشاروں کے علاوہ کوئی بات مشکل ہی سے کہہ سکتے ہیں۔ ریڈیو کے ذریعہ جس طبقہ کو تعلیم دینی مقصود ہے اس کو مجمل اشاروں کے بجائے دینی تعلیمات کی تفصیلی جزئیات کی ضرورت ہے لیکن یہ تفصیلی جزئیات بہت سی محکمہ جاتی مصالح پر قربان ہو جاتی ہیں نتیجہ یہ ہے کہ ان پروگراموں کے ذریعہ عوام کی معلومات میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو پاتا اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اول تو ان پروگراموں کے لئے صرف ایسے لوگوں کو مدعو کیا جائے جو دین کا وسیع وعمیق علم رکھتے ہوں، دوسرے تقاریر میں اس بات کو اولین اہمیت دی جائے کہ انہیں سن کر عوام کو کوئی عملی فائدہ حاصل ہو وہ ان کے ذریعہ اپنے گھر، اپنے کاروبار، اپنی ملازمت اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اسلامی تعلیمات کی تفصیلات کو سمجھ سکیں اور ان کے دل میں خدا کا خوف، آخرت کی فکر، نیکیوں کا شوق اور برائیوں سے نفرت پیدا ہو۔ اس مقصد کے لئے غیر ضروری پابندیوں کو

کرنے اور موضوعات کے انتخاب میں عوامی مسائل کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔
(۳) ریڈیو پر روزانہ درس قرآن کے علاوہ درس حدیث، درس فقہ اور درس تاریخ کی بھی ضرورت ہے اسی کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کی تفصیل عوام تک پہنچائی جاسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دشواری عموماً یہ بیان کی جاتی ہے کہ پاکستان کے مسلمان مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا تفصیلات میں جانے کی وجہ سے ان میں باہم اختلاف پیدا ہوگا لیکن یہ کوئی ایسی دشواری نہیں ہے جس کی بنا پر عوام کو اسلامی تعلیمات کی تفصیل سے بالکلیہ محروم کردیا جائے اس دشواری کا معقول، فطری اور قابل عمل حل یہ ہے کہ ریڈیو کے عام پروگرام اس مکتب فکر کے مطابق ہوں جس کی ملک میں اکثریت ہے۔ ہمارے ملک میں بھاری اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے۔ ان میں جو دو مختلف مکتب فکر دیو بندی اور بریلوی کے نام سے معروف ہیں ان کے باہمی اختلافات اسلام کی عملی اور فقہی تعلیمات میں نہیں بلکہ فروعی عقائد میں ہیں۔ ان فروعی عقائد کی حد تک اس بات کی پابندی کی جاسکتی ہے کہ باہمی اختلافی مسائل کو ریڈیو پر اچھالا نہ جائے فقہی معاملات میں چونکہ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں لہٰذا اسلام کی عملی ہدایات میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوگا اور انہیں آسانی سے منظر عام پر لایا جاسکتا ہے۔ اب صرف دو مکتب یعنی اہلحدیث اور شیعہ حضرات باقی رہ جاتے ہیں، اگر ضروری ہو تو ان کے لئے خاص اوقات میں الگ پروگرام رکھے جاسکتے ہیں اور یہ کوئی فرقہ وارانہ امتیاز کی بات نہیں بلکہ مشترک مفاد کو حاصل کرنے کے لئے ایک عملی سبیل ہے۔ اگر بچوں، عورتوں، طلباء اور فوجی حضرات کے لئے مخصوص پروگرام ہو سکتے ہیں تو ان طبقوں کے لئے بھی الگ پروگرام رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس طرح تمام مسلمان مکاتب فکر کے عوام ریڈیو سے مفید دینی معلومات حاصل کرسکیں گے۔ یہ صورت موجودہ صورت حال سے بدرجہا بہتر ہوگی جس میں کوئی بھی مقرر اسلام کی عملی تعلیمات کو آزادی سے پیش نہیں کرسکتا۔
(۴) اس وقت ہو یہ رہا ہے کہ مذہبی پروگراموں کی منصوبہ بندی کا کام کسی کو سپرد کرتے وقت اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ جس شخص کو یہ کام سونپا گیا ہے۔ دین کے بارے میں اس کی معلومات کیا ہیں؟ بسا اوقات موسیقی اور ڈراموں کے آرٹسٹ اس کام پر مقرر کردیئے گئے ہیں ظاہر ہے کہ اس طرح اچھے مذہبی پروگرام کیسے بن سکتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان

پروگراموں کی منصوبہ بندی کے لئے دین کے اہل علم مقرر کئے جائیں۔

(۵) آج کے ظاہر پرست ماحول میں یہ بات خواہ کتنی ہی عجیب اور ناگوار محسوس ہو لیکن یقینی ہے کہ جب کبھی ملت کے اصحاب فکر سنجیدگی کے ساتھ اپنی قوم کے اسباب زوال پر غور کریں گے تو انہیں یہ حقیقت سورج کی طرح روشن نظر آئے گی کہ ہماری دینی اور اخلاقی تباہی میں فلم اور ٹیلی ویژن کا بڑا ہاتھ ہے خاص طور سے ٹیلی ویژن نے چند سال کے مختصر عرصے میں نئی نسل کے انداز فکر وعمل کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی ہے۔ عریانی اور فحاشی کے جو کھیل پہلے سینما ہالوں، نائٹ کلبوں اور رقص گاہوں تک محدود تھے اب اس کے ذریعہ گھر گھر پھیل چکے ہیں۔ اور انہوں نے باپ بیٹی، بھائی بہن اور چھوٹے بڑے کی ان تمام حدود کو منہدم کر دیا ہے جو کبھی بے حیائی کے اقدامات میں رکاوٹ بن جایا کرتی تھیں۔ پھر خالص معاشی نقطہ نظر سے ٹیلی ویژن پر گھر پھونک تماشا دیکھنے کی مثل صادق آتی ہے جس قوم کی نوے فیصد آبادی کو دو وقت پیٹ بھرنے کا سامان میسر نہ ہو اس کا کروڑوں روپیہ ٹیلی ویژن کی اس عیاشی پر لٹا دینے کا آخر کیا جواز ہے جو صحت، اخلاق بچوں کی تعلیم اور معیشت کے لئے تباہ کن ثابت ہو چکی ہے؟ ہم اپنی تاریخ کے جس نازک دور سے گزر رہے ہیں اس میں یہ بات قومی خودکشی کے مترادف ہے کہ فولاد کے کارخانے اور ایٹمی ری ایکٹر جیسے منصوبے مالی وسائل کی قلت اور بے توجہی کا شکار ہو کر سسکتے رہیں اور ہم اپنا اور اپنے عوام کا کروڑوں روپیہ رنگین ٹیلی ویژن کے تعیش پر لٹا دیں۔

لہذا ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ اگر اس قوم کی قسمت میں کوئی بھلائی ہے تو اس کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ ٹیلی ویژن اور فلم کے اداروں کو بالکلیہ بند کر کے اس میں صرف ہونے والے مالی اور انسانی وسائل کو کسی مفید مصرف میں خرچ کیا جائے ہمیں معلوم ہے کہ ہماری اس تجویز کو بہت سے حلقوں میں انتہائی ناگوار سمجھا جائے گا لیکن اس ناگواری کے خوف سے زہر ہلاہل کو قند نہیں کہا جا سکتا۔

(۶) اخبارات و رسائل بھی عوام کی ذہنی تعمیر میں موثر کردار ادا کرتے ہیں لیکن آج کل وہ فحاشی و عریانی کی اشاعت کا ذریعہ بن رہے ہیں لہذا فحش، عریاں اور نیم عریاں تصاویر اور مواد شائع کرنے پر فوری طور سے قانونی پابندی لگانا ضروری ہے۔

۹۔ معیشت

ہمارا موجودہ نظام معیشت بھی وسیع اصلاحات کا محتاج ہے یہاں ان تمام اصلاحات کی تفصیل پیش کرنا ممکن نہیں اس خط کے ساتھ احقر کا ایک مطبوعہ رسالہ ''اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات'' ارسال خدمت ہے اس میں نسبۃً تفصیل کے ساتھ معیشت کے مختلف گوشوں سے متعلق اسلام کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ البتہ یہاں صرف دو باتیں عرض کرنی ہیں:

(۱) ہماری معیشت کے بگاڑ کے اسباب چار ہیں۔ سود، سٹہ، قمار، اور اکتناز۔ ان چاروں بنیادوں کو منہدم کئے بغیر ہم اسلامی نظام معیشت کی دنیوی واخروی برکات حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ چونکہ ہماری موجودہ معاشی زندگی کا سارا ڈھانچہ ہی ان بنیادوں پر تعمیر ہوا ہے اس لئے یہ چار خرابیاں ہماری معیشت کی رگ رگ میں پیوست ہوگئی ہیں اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے کچھ وقت کی ضرورت ہے لیکن فوری طور سے کرنے کا کام یہ ہے کہ علماء دین ماہرین معاشیات اور بینکنگ انشورنس اور اسٹاک ایکسچینج کا تجربہ رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک ایسا بورڈ بنایا جائے جو موجودہ نظام معیشت کو بدلنے کے لئے عملی تجاویز مرتب کرے۔ اب تک مختلف حلقوں کی طرف سے اس قسم کی متعدد تجاویز پیش کی جا چکی ہیں اور بہت سے جدید معاشیات کے ماہرین نے انہیں نہ صرف قابل عمل بتایا ہے بلکہ انہیں انتہائی مفید قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر اس قسم کا کوئی بورڈ خلوص اور جذبے کے ساتھ کام کرے گا تو اس کے لئے انشاء اللہ ایسی قابل عمل تجاویز مرتب کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ جن پر عمل کر کے ہم سرمایہ دارانہ نظام کی ان لعنتوں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔

(۲) سود، سٹہ اور قمار کو بالکلیہ ختم کرنے میں مذکورہ طریق کار کے مطابق وقت لگے گا لیکن اس سلسلہ میں فوری ضرورت کا ایک کام خصوصی توجہ کا محتاج ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت کی بہت سی اسکیمیں ایسی ہیں جن میں بالکل بلاضرورت سود اور قمار کو شامل کر لیا گیا ہے ورنہ انہیں بڑی آسانی کے ساتھ سود اور قمار سے خالی کر کے معمولی ترمیم سے اسلامی اصولوں کے مطابق بنایا جا سکتا ہے مثلاً انعامی بانڈز، این آئی ٹی، یونٹ گروپ، انشورنس اسکیم اور مزدوروں کو کارخانوں میں حصہ دار بنانے کا طریق کار ایسا ہے کہ اگر ان کا نظام بناتے وقت ابتداء ہی میں اہل علم کے

مشورے سے اسلامی اصولوں کی رعایت رکھی جاتی تو یہ ساری اسکیمیں اسلامی اصولوں کے مطابق ہو جائیں لیکن چونکہ اس بات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا اس لئے یہ مفید اسکیمیں بالکل بلاوجہ سود اور قمار پر مشتمل ہو گئی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنی ذاتی زندگی میں سود اور قمار سے پرہیز کرنا چاہتے ہیں (اور الحمد اللہ اب بھی ملک میں ایسے لوگوں کی بڑی تعداد موجود ہے) تو نہ وہ ان اسکیموں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ حکومت کو ان کی بچت سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔ لہٰذا اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ اہل علم کے مشورے سے ان اسکیموں کو بلا تاخیر اس طرح تبدیل کر دیا جائے کہ ان میں سود و قمار کا عنصر باقی نہ رہے۔ اس سے ایک بڑے گناہ سے بچنے کے علاوہ حکومت اور عوام دونوں کو معاشی طور سے فائدہ پہنچے گا۔ اگر اس سمت میں کوئی عملی قدم اٹھانے کا ارادہ ہو تو ان تبدیلیوں کی مفصل نشاندہی کی جاسکتی ہے جن کے ذریعے اسکیمیں اسلامی اصولوں کی مطابق ہو جائیں اس مکتوب میں صرف یہی دو باتیں عرض کرنی تھیں۔

معیشت کے سلسلے میں مزید تجاویز منسلکہ رسالہ میں موجود ہیں۔

5- معاشرت

پانچویں اہم ضرورت معاشرتی ماحول کی اصلاح ہے کیونکہ افراد کی ذاتی زندگی پر ماحول کا جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس سلسلہ میں چند بنیادی تجاویز یہ ہیں:

(۱) پورے ملک میں شراب نوشی پر مکمل طور سے پابندی عائد کی جائے۔ صرف غیر مسلموں کو اس سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے۔

(۲) سرکاری تقریبات میں خواہ وہ اندرون ملک ہو یا بیرون ملک شراب کے استعمال کو بالکلیہ ممنوع قرار دیا جائے۔

(۳) ملک میں سادہ طرز معاشرت کی تحریک شروع کی جائے ہم نے جو طرز معاشرت اس وقت اختیار کر لیا ہے وہ ہماری قومی روایات کے منافی ہونے کے علاوہ نہایت مہنگا اور معاشی طور سے تباہ کن بھی ہے۔ اور جب تک ہم اس طرز معاشرت پر اصرار کرتے رہیں گے اس وقت تک نہ غیروں کی احتیاج سے آزاد ہو سکیں گے اور نہ ہماری قوم میں وہ خودداری، خود اعتمادی اور ملی شعور پیدا ہو سکے گا جو کسی قوم کو پستی اور پسماندگی سے نکال کر ترقی، آزادی اور عزت نفس کی راہ

گامزن کر سکتا ہے۔ لیکن سادگی کی یہ تحریک اسی وقت موثر ہو سکتی ہے جب ہمارے اعلیٰ حکام اور سیاسی، دینی رہنما اس تحریک کی ابتداء اپنے آپ سے کریں۔ خود اپنی زندگیوں کو سادہ بنا کر عوام کے سامنے آئیں اور بذات خود تعیش، تکلفات اور اسراف و فضول خرچی کی مصنوعی زندگی کو خیر باد کہہ کر عملی طور سے عوام کو سادگی کی تبلیغ کریں ورنہ تجربہ شاہد ہے کہ محض لفظی اپیلیں اس معاملے میں کبھی کارگر نہیں ہو سکیں۔

(۴) سرکاری سطح پر جو اجتماعات ہوتے ہیں ان میں مرد و زن کے بے محابا اختلاط سے پرہیز کیا جائے۔

(۵) وزراء اور تمام اعلیٰ حکام کے لئے قومی لباس کو لازمی قرار دیا جائے۔

(۶) پورے ملک میں سرکاری تعطیل اتوار کے بجائے جمعہ کو کی جائے۔

(۷) اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت سے جاری کرنے کے لئے فوری اقدامات کئے جائیں۔

آخر میں یہ بات ایک بار پھر دہرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو تجاویز اوپر پیش کی گئی ہیں ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جو ہمارے موجودہ تن آسان مزاج کو اجنبی بلکہ ناگوار محسوس ہوں گی۔ لیکن ہمیں اس تلخ حقیقت کے اعتراف کی جرات ہونی چاہیے کہ ہم ایک ایسی قوم کے افراد ہیں جو اپنی متواتر بے عملی کی وجہ سے زندگی کے ہر محاذ پر پٹی اور دھتکاری ہوئی قوم ہے۔ ایک ایسی قوم جو سیاسی طور پر بے بس، معاشی اعتبار سے مفلوک الحال، تعلیمی اعتبار سے پسماندہ اور اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ ہو اسے ذلت اور پسماندگی کے غار سے ابھارنے کے لئے کوئی سرسری اور سطحی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی بلکہ اگر عزت و خوشحالی اس کے مقدر میں ہے تو اس کا راستہ اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ اس میں ایک ایسی سرگرم، پر جوش اور فعال تحریک کو ابھارا جائے جو جرات کر کے زندگی کی فرسودہ ڈگر کو بدلنے کا عزم لے کر کھڑی ہو عوام کو نیا حوصلہ، نئی امنگ اور نیا ولولہ عطا کرے۔ ذہنی غلامی کے سارے بندھن توڑ کر حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے مسائل کا خود جائزہ لے، کسی کی اندھی تقلید کے بجائے دنیا میں اپنا راستہ خود بنائے اور عزم و ہمت سے کام لے کر اس پر چل کھڑی ہو۔

چین کی مثال ہمارے سامنے ہے اس نے اپنی اجتماعی تباہی کے آخری ۔۔۔ پہنچ
بعد یکلخت بیداری کی جو کروٹ لی ہے تو سالہا سال کے رسوم و رواج اور صدیوں کے ۔۔۔
جے ہوئے نظام حیات کو یکسر بدل ڈالا اور اس انقلاب میں کسی خاص قوم یا خاص ملک ۔۔۔
کرنے کے بجائے اپنا راستہ آزادی کے ساتھ خود معین کیا اور اس پر عمل کر کے دکھایا ہی ۔۔۔
ہے کہ ایک مختصر مدت کے بعد آج وہ دنیا کی عظیم طاقتوں سے آنکھیں چار کر رہا ہے۔

لہٰذا اگر پاکستان میں واقعی اسلامی اصولوں کے مطابق کوئی انقلاب پیش نظر ہے تو ہمیں ۔۔۔
ایک مرتبہ جرات کر کے بہت سے کڑوے گھونٹ پینے پڑیں گے اور اگر ہم اس کے لئے تیار ۔۔۔
ہوئے تو ہمارا مستقبل آج سے کہیں زیادہ ویران اور تاریک ہوگا۔

آپ نے اپنے مکتوب میں بجا ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو ایسی زندگی اختیار کرنے ۔۔۔
ضرورت ہے جو موجودہ دور کے ترقی پسندانہ عزائم کے ساتھ اسلامی احکام کے مطابق ہو لیکن ۔۔۔
کے لئے یہ طے کرنا بہت ضروری ہے کہ موجودہ دور کے ترقی پسندانہ عزائم سے کیا مراد ہے؟ آج
کی دنیا میں عصر جدید کے تقاضوں کا بہت شور ہے لیکن متعین طریقے سے اس بات کا احساس بہت
کم لوگوں کو ہوتا ہے کہ عصر جدید کا حقیقی تقاضا صرف سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی ہے اور ۔۔۔
کے لئے ہمیں ہر اس اقدام سے پرہیز کرنا ہوگا جو ملت کو تعیش، تن آسانی، تکلفات اور فضول خرچی
کی طرف لے جاتا ہو ہماری شامت اعمال یہ ہے کہ ہم نے بے حیائی، عریانی، فحاشی، تکلفات
اور تعیشات و عصر حاضر کا تقاضا سمجھ رکھا ہے جن کی موجودگی میں ہم کبھی سائنس اور ٹیکنالوجی ۔۔۔
ترقی پسندانہ عزائم کی تکمیل نہیں کر سکتے اور اس طرح ہم زہر کو دوا سمجھنے کی حماقت کے مرتکب
ہو رہے ہیں۔ جب تک ہماری یہ غلط فہمی دور نہ ہو ہم عہد حاضر کے ترقی پسندانہ عزائم کا ساتھ نہیں
دے سکتے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامت فکر عطا فرمائے اور ایسے اقدامات کی توفیق
دے جو ہمیں اس ذلت، پستی اور پسماندگی سے نکال کر ایک باعزت مسلمان قوم کی طرح
جینے کے مواقع فراہم ۔۔۔ ے۔ آمین ثم آمین

اسلامی تصوف کے ماخذ

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

واضح ہو کہ یہ سورۃ ترتیب نزول کے اعتبار سے دوسری یا تیسری ہے اور اس بات پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار ابد قرار ﷺ کو یہ حکم دیا کہ سب سے پہلے مسلمانوں کے نفوس کا تزکیہ کرو۔ کیونکہ تزکیہ نفس کے بغیر نفس مغلوب نہیں ہو سکتا اور جب تک نفس مغلوب نہ ہو، کوئی مسلمان نہ جہاد فی سبیل اللہ کر سکتا ہے نہ انفاق فی سبیل اللہ کر سکتا اور اسلام انہی دو چیزوں کا نام ہے:

(الف) اللہ کہتا ہے کہ اپنا مال میری راہ میں خرچ کرو۔ لیکن نفس انسان سے کہتا ہے کہ اگر تم نے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تو تم مفلس ہو جاؤ گے اور تمہارے متعلقین (بیوی بچے) فاقے کریں گے۔ لہٰذا جب تک نفس مغلوب نہ ہو اس وقت تک کوئی مسلمان اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف نہیں کر سکتا۔

(ب) اللہ کہتا ہے کہ میری راہ میں جہاد (قتال) کرو۔ نفس انسان کو ورغلاتا ہے کہ اگر تو میدان جنگ میں گیا تو گمان غالب یہی ہے کہ مارا جائے گا اس صورت میں تیری بیوی اور تیرے بچے برباد ہو جائیں گے۔ پس جب تک نفس مغلوب نہ ہو کوئی مسلمان سر بکف ہو کر میدان میں نہیں آ سکتا۔

تصوف کیا ہے؟ تزکیہ نفس کا دوسرا نام ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت کے مقاصد چہارگانہ میں سے دوسرا مقصد ہے۔

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے امیوں میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث کیا جو:

(۱) انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے (۲) اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے (۳) اور انہیں کتاب (۴) اور حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے (۶۲۔۲)

ضابطہ تصوف:

تزکیہ نفس کے علاوہ اسلامی تصوف میں جن جن باتوں کی تلقین کی جاتی ہے یا تعلیم دی جاتی ہے وہ بھی سب کی سب قرآن سے ماخوذ ہیں یا حضور انور علیہ السلام کی حیات طیبہ سے اخذ کی گئی ہیں

مثلاً:

(۱) بیعت کا سلسلہ: یہ طریق قرآن اور سنت دونوں سے ثابت ہے:

''بلاشبہ جو لوگ آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں''۔ (پیمان وفا باندھتے ہیں) (۴۸۔۱۰)

''بے شک اللہ راضی ہو گیا ان مومنوں سے جس وقت وہ بیعت کرتے تھے آپ ﷺ سے اس درخت کے نیچے''۔ (۴۸۔۱۸)

(۲) صحبت مرشد: اگر تزکیہ نفس محض کتابوں سے ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ بعثت انبیاءؑ کا سلسلہ جاری نہ فرماتا۔ اپنی کتاب کسی شخص کی معرفت دنیا والوں کے پاس بھیج دیا کرتا۔ پس جس طرح صحابہ کرامؓ نے رسول خدا سرکار دوسرا ﷺ کی صحبت میں رہ کر اپنے نفوس کا تزکیہ کیا، اسی طرح آئندہ نسلوں کے لئے ضروری ہے کہ ہر زمانے میں ایسے خاصان خدا پیدا ہوتے رہیں جو فنافی الرسول ہو کر تزکیہ نفوس کا مقدس فریضہ انجام دے سکیں۔

وجہ یہ ہے کہ تزکیہ نفس کا علم نہ کتابوں میں مذکور ہے اور نہ کتابوں کو پڑھ کر کوئی شخص تزکیہ کر سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگرچہ فن طبابت اور فن جراحت کا علم کتابوں میں مذکورہ ہے مگر آج تک (جالینوس کے زمانے سے لے کر اب تک) کوئی حکیم یا طبیب یا ڈاکٹر یا سرجن ایسا نہیں گزرا جس نے میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم نہ پائی ہو اور اطباء اور جراحوں کی صحبت میں بیٹھ کر اس فن کی عملی تربیت حاصل نہ کی ہو۔

پس اگر امراض جسمانی کے ازالے کے لئے کتابی علم کے علاوہ میڈیکل کالج میں پڑھنا اور سرجنوں کی نگرانی میں آپریشن کرنا مہارت و حذاقت کے لئے شرط اولین ہے تو امراض روحانی کے ازالے کے لئے روحانی کالج (خانقاہ) میں تربیت حاصل کرنا اور شیخ کامل کی نگرانی (نگاہ) میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کرنا (مہارت حاصل کرنا) کیوں لازمی نہ ہو۔

ہر شخص کا روزمرہ مشاہدہ ہے کہ دنیا کا کوئی فن (غواصی، جراحی، نجاری، طباخی، خیاطی، حلوائی، خطاطی) صاحب فن کی صحبت اٹھائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ تزکیہ نفس بھی ایک فن ہے اور بہت مشکل فن ہے۔ تو یہ فن کسی ماہر فن کی صحبت کے بغیر کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ چراغ تو چراغ ہی سے جل سکتا ہے۔

بھی تو علامہ اقبال مرحوم نے اس زمانے کے مغرب زدہ اور فلسفہ زدہ مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے:

کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن بر آستان کاملے

یعنی اے مسلمان! تو کیا ہے؟ ایک مشت گل ہی تو ہے۔ اگر تو مٹی ہی رہا تو ایک دن مٹی میں مل کر فنا ہو جائے گا، اس لئے میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تو اس مشت گل (جسم یا شخصیت) کو کیمیا میں تبدیل کر لے اور اس کی واحد صورت یہ ہے کہ کسی کامل کے آستانے کو چوم یعنی کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کر۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ "دلوں کو چمکانے اور صیقل کرنے کا یہ علم کتابوں میں مدون نہیں ہے"۔

(۳) خلوت: شیخ طریقت سالک کو کچھ عرصے کے لئے خلوت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور صوفیائے کرامؒ کے سوانح حیات کے مطالعے سے یہ ثابت ہے کہ ہر صوفی نے کچھ عرصے کے لئے خلوت اختیار کی ہے۔ اس کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا ثبوت خود سرکار ابد قرار ﷺ کی حیات مبارکہ سے مل سکتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ قبل نبوت حضور اکرم ﷺ نے تین سال تک غار حرا میں خلوت اختیار فرمائی تھی۔ خلوت کی اہمیت پر میرے مرشد اولین، اکبر الہٰ آبادی مرحوم کا یہ ایک شعر کافی ہے:

خدا کے کام دیکھو! بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غار حرا پہلے

اس سلسلے میں ان کے ایک عقیدت مند کا بھی شعر قابل غور ہے:

صاحب تحقیق را جلوت عزیز
صاحب تخلیق را خلوت عزیز

(۴) اعتکاف: شیخ طریقت بعض اوقات مرید کو اعتکاف کا حکم دیتا ہے اور یہ حکم بھی سنت نبوی سے ماخوذ ہے۔ ہر شخص جس نے سیرۃ النبی کا مطالعہ کیا ہے اس بات سے واقف ہے کہ حضور انور ﷺ ہر سال ماہ رمضان کے آخری عشرے میں مسجد نبوی میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ رابطہ قلبی پیدا کرنے کے لئے اعتکاف فی المسجد، اکسیر کا اثر رکھتا ہے جسے شک ہو تجربہ کر کے دیکھ لے۔ سلوک تو سراسر عملی پروگرام ہے۔

(۵) محبت یا عشق: تصوف کی بنیاد ہی عشق الٰہی پر رکھی گئی ہے۔ جس طرح دریائے نیل کے بغیر ملک مصر کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح عشق کے بغیر اقلیم تصوف کا تصور نہیں ہو سکتا۔ تصوف کا تار بھی عشق ہے اور پود بھی عشق ہے۔ یہ بنیاد بھی قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ صرف ایک آیت لکھتا ہوں:

''جو لوگ مومن ہیں وہ اللہ کی محبت میں اشد ہیں''۔ (۲:۱۶۵)

(۶) مراقبہ اور محاسبہ: شیخ طریقت مرید کو مراقبہ اور محاسبہ کا حکم دیتا ہے اور یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے:

ولتنظر نفس ما قدمت لغد (۵۹:۱۸)

''اور لازم ہے کہ ہر شخص یہ دیکھتا (غور کرتا) رہے کہ اس نے آئندہ کل (قیامت) کے لئے کیا توشہ آگے بھیجا ہے (یعنی کون کون سے اعمال صالحہ اس کے نامہ اعمال میں مندرج ہیں)۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو محاسبہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ محاسبہ، مراقبے پر موقوف ہے جب تک مراقبہ نہ کیا جائے محاسبہ ناممکن ہے۔

(۷) مجاہدہ: تصوف میں مجاہدہ شرط لازمی ہے۔ کوئی سالک مجاہدے کے بغیر سلوک طے نہیں کر سکتا اور یہ شرط اس آیت سے ثابت ہے:

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

''اور جو لوگ ہم سے ملنے یا ہم تک پہنچنے کے لئے کوشش (مجاہدہ) کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنی طرف آنے والی راہیں دکھا دیتے ہیں''۔

سچ کہا ہے عارف شیرازیؒ نے:

ناز پرورد تنعم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوہ رندان بلا کش باشد

(۸) ذکر و فکر: شیخ طریقت، مرید کو ذکر و فکر کا حکم دیتا ہے اور یہ تلقین ذکر و فکر، جس کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہے، قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں نشانیاں ہیں
عقل والوں کے لئے (یہ وہ ہیں) جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اور فکر کرتے ہیں
آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور غور وفکر کے بعد پکار اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! تو
نے یہ کائنات بے فائدہ پیدا نہیں کی ہے"۔
سالک کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ذکر کرتے رہو۔ یہ تلقین اس آیت
سے ماخوذ ہے:

واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون

"اور یاد کرو اللہ کو بہت تا کہ تم فلاح پاؤ"۔

نکتہ

مقصد حیات، فلاح دارین ہے اور حصول فلاح کی صورت ذکر کثیر ہے، اسی لئے صوفی ہر
وقت ذکر میں مشغول رہتا ہے۔
ذکر کی اہمیت آئندہ واضح کی جائے گی، اس جگہ صرف اتنا بیان کرنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ
سرکار دو عالم ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ:

ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا

"اے رسول! مت کہا مان اس شخص کا جسے ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے"۔
جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون کے پاس بھیجا تو بوقت رخصت
انہیں تاکید کی:

اذھب انت واخوك بایٰتی ولا تنیا فی ذکری

"جا تو اور تیرا بھائی (فرعون کے پاس) میری نشانیاں لے کر اور (دیکھنا) میری یاد میں سستی
نہ کرنا"۔
یہی وجہ ہے کہ مرشد رومیؒ نے متعدد مقامات میں ذکر وفکر کی اہمیت اور فضیلت کو واضح کیا
ہے:

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن
فکر گر جامد بود رو ذکر کن

ذکر آرد فکر را در اہتزاز
ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

اقبالؒ نے بھی ذکر کی فضیلت واضح کی ہے:

نقر قرآں؟ اختلاط ذکر و فکر
فکر را کامل ندیدم جز بہ ذکر

اغیار کی شہادت

گزشتہ صفحات میں، میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی تصوف قرآن سے ماخوذ ہے۔ اب میں اس دعوے پر اغیار کی شہادت پیش کرتا ہوں:

(۱) ڈاکٹر ڈونالڈسن اپنی کتاب ''مسلمانوں کا فلسفہ اخلاق'' میں صفحہ ۱۹۴ پر لکھتا ہے: ''بقول ابن خلدون، صوفیوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ آغاز اسلام سے مسلمانوں میں متداول تھا اور اکابر صحابہؓ اسے سچائی اور ہدایت کا طریقہ یقین کرتے تھے۔ یہ طریقہ عبادت اور تبتل پر مبنی تھا اور جب دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کے دلوں میں دنیا کی محبت راہ پانے لگی تو جن لوگوں نے زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا وہ صوفیوں کے لقب سے یاد کیے جانے لگے''۔

(۲) پروفیسر گیوم اپنی کتاب ''اسلام'' میں صفحہ ۱۴۳، ۱۴۴ پر لکھتا ہے: ''قرآنی تعلیمات میں دنیا سے بے تعلقی اور تصوف کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ مسلمان صوفیوں نے ان دو آیتوں سے بہت تقویت حاصل کی ہے:

(الف) **نحن اقرب الیہ من حبل الورید**

''ہم انسان سے، اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں''۔

(ب) **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ**

''پس تم جس طرف بھی منہ کرو گے وہیں اللہ کا منہ ہے''۔

یعنی تم جدھر دیکھو گے اللہ کو وہیں موجود پاؤ گے۔ جو بات یقینی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام نے بذات خود صوفیوں کی طرز حیات کے لئے سامان مہیا کیا ہے۔

(۳) پروفیسر گب اپنی کتاب ''محمڈن ازم'' میں ص ۱۲۸ پر لکھتا ہے: ''پروفیسر میسی نیون نے اسلامی تصوف کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مسلمانوں میں تصوف کی

کہ یہ اس زہد و اتقاء کا نتیجہ ہے جو قرآن سے ماخوذ ہے اور پیغمبر اسلام کی سنت سے اس کی تائید

ہوتی ہے۔''

(۴) ڈاکٹر تارا چند اپنی تصنیف ''ہندی ثقافت پر اسلام کا اثر'' میں ص ۶۳ پر لکھتے ہیں: ''تصوف کا اصلی ماخذ قرآن اور محمد ﷺ کی زندگی ہے''۔

(۵) ڈاکٹر نکلسن نے اپنی تصنیف ''عربوں کی ادبی تاریخ'' ص ۲۲۹ پر ابن خلدون کی رائے سے اتفاق کیا ہے جسے ہم ڈونالڈسن کی شہادت کے سلسلے میں اوپر درج کر آئے ہیں۔

(۶) پروفیسر ہٹی اپنی تالیف تاریخ اقوام عرب ص ۴۳۳ پر لکھتا ہے: ''تصوف کا ماخذ قرآن اور حدیث ہے۔ قرآن میں ایسے مضامین کی جو مثلاً ۴:۹۶ یا ۹: ۱۱۳ یا ۳۳: ۴۷ میں وارد ہیں کوئی کمی نہیں ہے۔ علاوہ بریں خدا کے ساتھ خود پیغمبر اسلام ﷺ کے ذاتی تعلق میں صوفیانہ رنگ پایا جاتا ہے یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ہر جگہ اور ہر وقت موجودگی کا براہ راست ذاتی شعور حاصل تھا۔ آپ ﷺ ہر وقت یہ محسوس کرتے تھے کہ میں اللہ کی حضوری میں ہوں۔ صوفیوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی اس روحانی تعلیم کے سچے ترجمان ہیں جو احادیث میں محفوظ ہے''۔

(۷) پروفیسر براؤن اپنی تالیف ''ایران کی ادبی تاریخ'' جلد اول میں ص ۴۱۸ پر لکھتا ہے: ''احادیث سے قطع نظر کر کے خود قرآن میں چند آیات ایسی موجود ہیں جن کی تفسیر صوفیانہ انداز میں ممکن ہے۔ مثلاً:

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

''اور اے رسول ﷺ! جب آپؐ نے (مٹھی بھر کنکریاں) پھینکی تھیں تو آپؐ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں''۔

بظاہر تو اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے دشمنوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی ہمت بڑھائی لیکن اس سے یہ مفہوم بھی مستنبط ہو سکتا ہے کہ دراصل، اللہ ہی فاعل مطلق ہے اور انسان کی حالت ایسی ہے جیسے کاتب کی انگلیوں میں قلم ہوتا ہے، جس طرف چاہے موڑے۔

(۸) ڈاکٹر ہنٹ اپنی تالیف **Pantheism** مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۹۳ء ص ۲۰۸ پر لکھتا ہے: ''پروفیسر پامر نے لکھا ہے کہ تصوف دراصل اسلام کی باطنی تعلیم کا نام ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

ت سے مبادی قرآن سے اخذ کیے جاسکتے ہیں لیکن قرآن عقیدہ حلول کی مطلق تائید نہیں کرتا۔

(۹) پروفیسر میکڈ لنڈ اپنی تصنیف "شئون اسلام" میں ص ۱۸۴ پر لکھتا ہے: "اسلام کی دوسری تعلیمات کی طرح تصوف کے مبادی بھی پیغمبر اسلام کے ذہن میں موجود تھے"۔

(۱۰) پروفیسر آربری اپنی تصنیف "صوفزم" (تصوف) میں ص ۱۲، ۱۳ پر لکھتے ہیں: "قرآن مجید صوفیوں کے لئے وہ سند اعلیٰ ہے جس کی طرف وہ ہدایت حاصل کرنے کے لئے رجوع کرتے ہیں"۔

"ایک صوفی اتباع رسول پر مجبور ہے اس کے لئے حدیث کا مطالعہ لازمی ہے اس لئے حدیث قرآن کے بعد دوسرا ستون ہے جس پر ایک صوفی کے دین وایمان کا قصر تعمیر ہوا ہے"۔

الحمد اللہ کہ میں نے قرآن کے علاوہ اغیار کی شہادت سے بھی یہ بات ثابت کردی کہ اسلامی تصوف قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف اسلام کی روح ہے اور ایمان کا جوہر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسلام کا مقصد اصلی محض اخلاقی تعلیم دینا یا سیاسی نظام قائم کرنا نہیں ہے بلکہ زندہ خدا سے زندہ رابطہ پیدا کرنے کا طریقہ سکھانا ہے۔ قرآن کی غرض وغایت، قیام حکومت نہیں ہے بلکہ بنی آدم میں تعلق باللہ کی اہمیت کا شعور پیدا کرنا اور اس حقیقت کو جاگزیں کرنا کہ اگر اللہ کے ساتھ تعلق نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حضور انور ﷺ نے قریش مکہ سے کبھی یہ نہیں کہا کہ اگر تم میری پیروی کرو گے تو میں تمھیں حکمران بنادوں گا۔ اس کے بجائے صرف یہ کہا کہ میری پیروی کرو، میں تمھیں اللہ سے ملادوں گا بلکہ میری پیروی میں یہ تاثیر ہے کہ تم خود اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

"اے رسولؐ! آپ مسلمانوں سے فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ میری اتباع (پیروی) کرو۔ اس اتباع کا ثمرہ یہ ملے گا کہ اللہ تم سے خوش ہوجائے گا بلکہ وہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا"۔

اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ اسلام کا مقصد ارفع اور قرآن کی غایت قصویٰ حصول حکومت ارضی ہے یا حصول رضاء باری تعالیٰ ہے؟ اس آیت کی روشنی میں ہر شخص یہی جواب دے گا کہ مسلمان

کا مقصد حیات، اللہ کو راضی کرنا ہے، حکومت ملے یا نہ ملے۔ اور میں علی وجہ البصیرت یہ بات کہتا ہوں کہ اسلامی تصوف اللہ کو راضی کرنے کے طریق کار (پروگرام) کا دوسرا نام ہے۔ اور یہ مقصد رفیع صرف سلوک طے کرنے ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں میرے دعوے پر شاہد عدل ہیں۔

شریعت میں اللہ تعالیٰ معبود ہے، طریقت میں اللہ تعالیٰ مقصود ہے۔ بظاہر تو یہ فرق بہت معمولی نظر آتا ہے مگر جب ایک مسلمان اللہ کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے (اور انداز نگاہ میں یہ تبدیلی صرف تصوف کی بدولت پیدا ہوسکتی ہے) تو اس کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ یعنی وہی دنیا جس کے حصول میں وہ رات دن سرگرداں رہتا تھا، اس کے قدموں میں سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔

جب تک اللہ صرف معبود ہے مسلمان بادشاہوں کی غلامی میں کوئی دقت یا قباحت محسوس نہیں کرتا مگر جب اس کا مقصود اللہ بن جاتا ہے تو سلاطین عالم خود اس کی قدم بوسی کو اپنے لئے باعث سعادت یقین کرتے ہیں۔ جسے شک ہو وہ حضرت سلطان الہند غریب نواز خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین اجمیریؒ، قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، شیخ شیوخ عالم خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ اور محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی زندگیوں کا مطالعہ کرے۔ (اللھم کثر امثالھم وارزقنی اتباعھم آمین)

قصہ مختصر یہ کہ جب ایک مسلمان اللہ سے تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے (اور یہی اسلام کی غایت ہے) تو اسے لامحالہ تصوف کے کوچے میں آنا پڑتا ہے۔ اللہ سے تعلق پیدا کرنے کے طریقے کا دوسرا نام طریقت ہے:

قرآن رہے پیش نظر، یہ ہے شریعت
اللہ رہے پیش نظر یہ ہے طریقت

اسلامی نظام عدل کی چند امتیازی خصوصیات

مولانا سید محمد متین ہاشمی

۱۔ اسلام میں قضا کا تصور

دیگر نظامہائے عدل کی طرح اسلامی نظام عدل میں عہدہ قضا پھولوں کا ہار نہیں بلکہ کانٹوں کا ایسا تاج ہے جسے طلب کرنا بھی جائز نہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''ہم اس شخص کو حاکم نہیں بناتے جو اس عہدے کو طلب کرے یا اس کا لالچ کرے۔''

اور حضور ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جو قاضی بنایا گیا کہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرے وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا''۔

اسی لئے اسلامی نظام عدل میں ہر کس و ناکس کو قاضی نہیں بنایا جا سکتا کہ وہ کوئی امتحان پاس کرلے اور اس کا تقرر عمل میں آجائے بلکہ ضروری ہے کہ جسے عہدہ قضا سپرد کیا جائے وہ متقی اور بے نفس ہو اسے ہر قسم کے خارجی اثرات سے بے پرواہ ہو کر صحیح فیصلے پر پہنچنے کی خواہش ہو۔ ایسے قاضی کے بارے میں صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''حاکم جب فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے اور اپنے اجتہاد میں صحیح نتیجے پر پہنچے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اگر اس نے اجتہاد کیا اور اس سے خطا ہو گئی جب بھی اسے اجر ملے گا''۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلامی نظام عدل میں قضا ایک عبادت ہے بشرطیکہ مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت قاضی کی نیت درست ہو اور وہ حق و انصاف کا دامن اپنے ہاتھوں سے نہ چھوڑے۔

۲۔ شہادت کا معیار

دیگر نظامہائے عدل میں ہر للو پنجو شہادت دینے کا مجاز ہے خواہ اس کا ذاتی کردار کتنا ہی گھناؤنا کیوں نہ ہو صرف ضروری ہے کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں ہو اور خود اپنی بات کو جو وہ ادائے شہادت کے وقت منہ سے نکال رہا ہے سمجھتا ہو۔

لیکن اسلامی نظام عدل میں شہادت کا کڑا معیار مقرر کیا گیا ہے اور اولین شرط یہ ہے کہ:

ترجمہ: ''اور اپنے میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ ٹھہرالو اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو''۔

قرآن کریم کا یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اسلامی نظام عدل میں ادائے شہادت در حقیقت ادائے امانت ہے۔ اسی لئے عادل کی شرط عائد کی گئی ہے۔ جس کی فقہائے اسلام نے یہ تعریف کی ہے کہ وہ کبائر سے مجتنب ہو، صغائر پر اصرار نہ کرے اور اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں۔

اس کے علاوہ اسلامی نظام عدل میں ''تزکیۃ الشہود'' کا نظام رکھا گیا ہے جو شاید دنیا کے کسی نظام میں نہیں ہے۔ اور ان سب پر مستزاد یہ کہ شریعت میں جھوٹی شہادت پر سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے اسے اکبر الکبائر کہا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے۔

ترجمہ: ''آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں سب سے بڑے کبیرہ گناہ کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ وہ ہے جھوٹ بولنا یا جھوٹی شہادت دینا''۔

۸۔ مفت اور فوری حصول انصاف

ایک اسلامی حکومت کی دیگر ذمے داریوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذمے داری ہے کہ رعایا کو مفت اور فوراً انصاف مہیا کیا جائے۔ تاکہ غریب سے غریب آدمی اپنا حق وصول کر سکے اور کسی شخص کی غربت حصول انصاف میں مزاحم نہ ہو اور چونکہ اسلامی نظام عدل سیدھا سادہ ہے اس لئے مقدمات کے فیصلے بھی جلد از جلد ہو جاتے ہیں۔ اور اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ مغربی نظام عدل کی طرح انصاف میں اتنی تاخیر نہ ہو جائے کہ ظلم بن جائے۔ آج ہمارے ملک میں جو نظام عدل رائج ہے اس نے غریب عوام کو جن مشکلات سے دوچار کر رکھا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ وکلاء کی بھاری فیسیں، سٹامپ کے اخراجات ایک معمولی سے مقدمے میں بے ضرورت پچاسوں تاریخیں آمدورفت کے اخراجات، عدالتوں کے لایعنی چکر۔ ان چیزوں کی وجہ سے اس وقت غریبوں کو انصاف میسر آنا اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کے باعث اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اسلام کا عطا کردہ نظام عدل اس وقت بھی دنیا کے تمام نظامہائے عدل سے فائق، آسان تر، مہذب، حیات اجتماعی کے لئے نفع بخش اور قابل عمل ہے۔ صرف ضرورت اللہ پر بھروسہ کر کے قدم بڑھا دینے کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس راہ پر مشکلات بھی ہیں اور موانع بھی۔ سو سالہ دور غلامی نے ہم سے احساس زیاں چھین لیا ہے، ہم اپنے گریبانوں میں چھپے ہوئے آفتاب کو چھوڑ کر دوسروں کے چراغوں کی طرف دوڑنے میں مصروف ہیں اور اگر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ کسی حد تک ہم احساس کمتری کے شکار

ہیں۔ یہ سب کچھ تسلیم لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

ترجمہ: ''جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرور انہیں اپنی راہیں دکھلائیں گے''۔ مگر شرط یہی ہے کہ:

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

ہمیں اللہ کے وعدے پر بھروسہ کر کے اسلام کو من کل الوجوہ اس ملک میں نافذ کرنا چاہیے۔ جب ریلوے کا محکمہ ہم سے ٹکٹ دیتے وقت عملاً یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہم تمہیں کراچی بذریعہ ریل پہنچادیں گے تو ہم اس کے وعدے پر اعتماد کر کے اسے ٹکٹ کی قیمت بھی ادا کر دیتے ہیں اور اس کی تیار کی ہوئی ٹرین میں بیٹھ بھی جاتے ہیں اور ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ شبہ نہیں ہوتا کہ پتہ نہیں یہ ٹرین ہمیں کراچی پہنچائے گی کہ نہیں۔

تو کیا اللہ کا وعدہ (العیاذ باللہ) پاکستان کے محکمہ ریلوے کے وعدے سے بھی زیادہ مشتبہ ہے کہ حیص بیص میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور تذبذب کے شکار ہیں اور کبھی کہنے لگتے ہیں کہ اسلام کا نظام عدل فرسودہ ہے۔ آج کے ماڈرن دور میں نہیں چل سکتا کبھی مغربی نظام عدل میں ان پہلوؤں کی تلاش کرنے لگتے ہیں، جو اسلام سے متصادم نہیں تاکہ جیسے بھی ہو انگریز بہادر کا نظام ہمارے ملک کے غریب عوام پر مسلط رہ کر ان کا خون چوستا رہے ان کے اسلاف کی بخشی ہوئی اقدار حیات کو مسخ کرتا رہے اور ان سے کولہو کے بیل کی طرح عدالتوں کے چکر پر چکر لگواتا رہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے چونتیس سال کے بعد اب ملک میں اسلام کا بول بالا ہو رہا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ پاکستانی عوام کو منزل مل گئی ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ملت پاکستانیہ جو چونتیس طویل اور صبر آزما سالوں سے بھٹک رہی تھی اس کے سفر کی سمت متعین نہ تھی اب اس کی سمت سفر متعین ہو چکی ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کا قیام، نظام زکوٰۃ کا نفاذ، بلاسود بینکاری کا آغاز، قومی لباس و قومی زبان پر زور، نظریہ پاکستان کی ترویج و اشاعت یہ چیزیں ایک صبح نو کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن کسی ملک میں کسی نظام کا نفاذ محض کسی حکومت کی ذمے داری نہیں ہوتی۔ یہ کام ہم سب کو مل کر کرنا ہے۔ علماء، وکلاء، جج حضرات، طلباء، اساتذہ، تجار، صنعت کار، سرمایہ کار، مزدور، زمیندار، اطباء، پولیس، فوج، عمال حکومت اور ملک کے سارے عوام کا یہ فرض ہے کہ اس ملک میں جسے اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اسلام کا نظام اپنی پوری جامعیت و مانعیت کے ساتھ نافذ کریں۔ جب تک سارے عوام کا تعاون نہ ہو یہ منزل سر نہ ہوگی۔

رفیقہ حیات

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری

خیریت تو ہے؟ آخر آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ آپ کا بدن بھی کانپ رہا ہے"۔
اس وقت کچھ نہ پوچھو، بس مجھے کچھ اوڑھا دو، طبیعت ذرا سنبھل جائے تو بتاؤں گا"۔
بیوی کمبل اوڑھا دیتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد طبیعت سنبھل جاتی ہے، بیوی بھی خوش ہو جاتی ہے
اور خیریت دریافت کرتی ہے، شوہر کہتا ہے:

"میری رفیقہ زندگی کیا پوچھتی ہو؟ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ خطرہ؟ تفصیل
سننے سے پہلے میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہ کرے گا۔ خدا ایسے جوہر قابل
کو ضائع نہیں کرتا جو صلہ رحمی کو اپنا شعار بنائے، دوسروں کا بوجھ اپنے سر لے لے، اپنی محنت کی
کمائی محتاجوں کو دے، مہمان نوازی میں بے مثال ہو اور تمام حوادث میں حق کا ساتھ دیتا ہو، میرا
عقیدہ تو یہی ہے، ہاں اب اپنا حال بتائیے، اس پریشانی کی وجہ کیا ہے؟

"میری زندگی کی ساتھی! تمہیں علم ہے کہ میں اپنی قوم کے حالات کو دیکھ دیکھ کر دنیا سے
بیزار ہوں اور ان کی صحبت سے بیزار ہو گیا ہوں، یہی بیزاری مجھے اس آبادی سے دور لے جاتی ہے
جہاں میں کئی کئی دن مسلسل غور و فکر کرتا رہتا ہوں۔ مجھے غار کی تنہائی اس انسانیت کش سوسائٹی سے
زیادہ مرغوب ہے۔ بس میں وہیں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہوں اور اس قابل نفرت معاشرے کی اصلاح
پر بھی غور کرتا ہوں۔ مگر آج تو ایک عجیب خلاف توقع واقعہ پیش آیا جس سے میں ڈر گیا ہوں"۔

"وہ کیا؟

ایک آنے والا آیا اور مجھ سے فرمائش کرنے لگا کہ پڑھیے۔ میں نے کہا: بھئی میں کیا
پڑھوں، مجھے تو پڑھنا لکھنا آتا ہی نہیں۔ پس اس نے مجھے سینے سے لگا کر ایسا زوردار معانقہ کیا کہ
مجھے سنبھلنے کے لئے بھی اتنا ہی زور لگانا پڑا۔ اس کے بعد مجھے چھوڑ کر پھر وہی فرمائش کی کہ پڑھیے
میں نے پھر وہی جواب دیا اور اس نے پھر اسی طرح مجھے دبوچا۔ تیسری بار پھر اسی طرح ہوا۔ اس
کے بعد پھر اس نے کچھ الفاظ کہے جو میرے سینے میں عجیب کیفیت کے ساتھ اتر گئے، الفاظ یہ
تھے:

اقراء باسم ربك الذی خلق ٥ خلق الانسان من علق ٥ اقراء وربك الاکرم ٥ الذی علم بالقلم ٥ علم الانسان ما لم یعلم ٥

رفیقہ زندگی حیران ہو رہی تھی کہ اُمی سے یہ کون اور کیوں فرمائش کر رہا ہے کہ :

''پڑھو اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو علق سے پیدا کیا۔ پڑھو، اور تمہارا رب سب سے زیادہ کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ انسان کو وہ کچھ بتایا جس کی اسے کچھ واقفیت نہ تھی''۔

پڑھو...... رب...... خالق...... اکرم...... قلم...... پڑھو بھی اور لکھو بھی۔

کون پڑھے؟ کون لکھے؟ یہ اُمی؟ جس کا کوئی استاد نہیں، جس نے قلم کبھی ہاتھ میں نہیں لیا۔ پڑھنے لکھنے سے کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا کیا یہ خود پڑھے لکھے گا، یا دوسروں کو پڑھائے لکھائے گا؟ اگر ایسا ہے تو یہ کچھ آسمانی کھیل معلوم ہوتے ہیں۔ زمین سے اس کا تعلق نہیں...... ہاں ہاں میرا ایک عم زاد بھائی ہے ورقہ بن نوفل، وہ عیسائی ہے اور جب اس کی آنکھیں سلامت تھیں، تو وہ عبرانی انجیل کے بعض حصوں کا عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ شاید وہ اس بارے میں کچھ راہنمائی کر سکے۔

☆☆☆

''بھائی جان ذرا اپنے برادر زادے کی باتیں تو سنیے''۔

''ہاں ہاں کہو برادرم عبداللہ کے جائے! کیا بات ہے؟''

چچا جان! ہوا یہ کہ میں غار میں تنہا بیٹھا تھا کہ ایک آنے والے نے آ کر مجھ سے پڑھنے کی فرمائش کی۔ میں نے اپنے اُمی ہونے کا عذر کیا، تو اس نے زور سے بھینچ کر دبوچا کہ اگر میں بھی دفاعی زور نہ لگاتا، تو ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور پھر وہی فرمائش کی کہ پڑھیے۔ میں نے وہی جواب دیا۔ اس نے پھر زور سے دبوچا اور چھوڑ دیا۔ اس طرح تین بار ہوا اور آخر میں اس نے یہ الفاظ سینے میں اتار دیے:

اقرا باسم ربك الذی خلق......الخ

''ارے ارے یہ تو وہی پیغام ربانی ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ اے کاش آج میں جوان ہوتا اور اے کاش اس وقت میں زندہ ہوتا جب تمہاری قوم تمہیں وطن سے نکال دے گی''۔

''چچا جان! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ میری قوم مجھے میرے وطن سے نکال باہر کرے گی؟ میں تو اپنی قوم میں بڑا محبوب ہوں۔ میری رفیقہ حیات اس کی شہادت دے سکتی ہے''۔

''بیٹا تم نہیں جانتے کہ تم جو پیغام لائے ہو، وہ جو بھی لایا ہے اس کی دشمنی ہی کی گئی ہے۔ اگر

دن ملا تو میں تمہاری بھرپور مدد کروں گا"۔

افسوس! ورقہ جلد ہی چل بسا، مگر وہ پیغام کو دل سے قبول کر چکا تھا۔ جو کچھ ورقہ نے بھانپ لیا پیغامبر کی رفیقہ حیات پہلے ہی سمجھ چکی تھی اور پوری شدت کے ساتھ تسلیم کر چکی تھی۔

☆☆☆

عفیف کندی اپنے گھر والوں کے لئے کچھ کپڑے اور خوشبو وغیرہ خریدنے کے لئے مکے آیا عباس بن عبدالمطلب کے ہاں ٹھہرا۔ وہ ایک روز دن چڑھے کعبے کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر خوش رو جوان پر پڑی جو کعبے کے قریب آ کر رکا، پھر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کعبے طرف اپنا رخ کر لیا۔ اتنے میں ایک لڑکا بھی آیا اور اس کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے ہی ایک عورت بھی آئی اور وہ پیچھے کھڑی ہو گئی۔ نوجوان نے رکوع کیا، تو اس لڑکے اور اس عورت نے بھی رکوع کیا۔ پھر اس نے سر اٹھایا، تو ان دونوں نے بھی سر اٹھایا۔ پھر اس نے سجدہ کیا وہ دونوں بھی سربسجود ہو گئے۔ عفیف نے کہا:

"عباس میں آج ایک عجیب چیز دیکھ رہا ہوں"۔

"ہاں ہے تو عجیب ہی چیز، مگر تم جانتے ہو کہ یہ جوان کون ہے؟"

"نہیں"

"یہ میرے بھائی عبداللہ بن عبدالمطلب کا فرزند ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ یہ عورت کون ہے؟"

"نہیں تو"

"یہ میرے برادرزادے کی رفیقہ حیات خدیجہ بنت خویلد ہے۔ میرا یہ برادرزادہ کہتا ہے کہ ان کا رب وہی ہے جو رب السماوات والارض ہے اور وہ اسی دین پر مامور ہے جس پر وہ اس وقت قائم ہے۔ میرے علم میں ان تین کے علاوہ تو اس وقت روئے زمین پر کوئی بھی اس دین پر قائم نہیں"۔

"اے کاش میں چوتھا ہوتا"۔

☆☆☆

تن من دھن سے ہر مرحلے پر جس نے اپنے شوہر کا ساتھ دیا، وہ یہی رفیقہ زندگی تھی، یہ ملکہ تھی، زمانے کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھی، پہلے دو شوہروں کو دیکھ چکی تھی۔ اپنے

تیسرے شوہر سے پندرہ سال بڑی تھی۔ معلوم نہیں اسے اس آخری شوہر کی کونسی ادا بھائی تھی کہ اس کی صداقت بیان پر ایمان لے آئی۔ اللہ اکبر اتنا بڑا دعویٰ... خدا سے ہم کلامی کا دعویٰ، رسالت نبوت کا دعویٰ..... مگر وہ بے جھجک اسے قبول کر لیتی ہے۔ اسے علم ہے کہ اس پیغام کو قبول کرنے کے معنی ہیں زمین و آسمان کو اپنا دشمن بنا لینا۔ وہ جانتی ہے کہ اس دعوت ایمانی کو قبول کرنے کے بعد قدم قدم پر آزمائش و ابتلاء کی بھٹی سے گزرنا پڑے گا۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس زندگی میں اس کا کوئی ثمرہ ملنے کی توقع نہیں۔ اتنا خطرناک اقدام کون کر سکتا ہے؟ اگر اسے اپنے شوہر میں ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری یا نقص کا علم ہوتا، تو اتنے عظیم الشان دعویٰ کے بعد وہ گریبان پکڑ لیتی اور طعنے دے دے کر جینا دشوار کر دیتی۔ ہاں یقیناً اس پندرہ سال کی ازدواجی زندگی کے دوران اسے اپنے شوہر سے کوئی ایسی کمزوری نہ دکھائی دی جو اس کی اخلاقی زندگی اور صداقت پر ادنیٰ سے ادنیٰ حرف بھی لا سکے اور پھر آئندہ دس سال کی رفاقت میں بھی کسی مرحلے پر کوئی نقص نظر آتا تو وہ اسے بہانہ بنا کر ساتھ چھوڑ دیتی، مگر اللہ ری اس کی استقامت اور پختہ ایمانی! ہر آزمائش اس کے ایمان میں مزید پختگی پیدا کرتی چلی گئی، یہاں تک کہ شعب بنی ہاشم میں تین سال تک محصور رہی۔ فاقے پر فاقے جھیلتی رہی، کلی مقاطعے کے سارے مراحل طے کر لئے، مگر ایک لمحہ بھی زندگی میں ایسا نہ آیا جہاں اس کے ایمان میں معمولی سے معمولی لغزش آئی ہو۔ کبھی زبان پر کوئی ایسا حرف شکایت نہ آیا کہ تم نے ہمیں کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ اللہ اکبر اس کی ایمانی پختگی کا خدا کے سوا کون صحیح اندازہ کر سکتا ہے؟

☆☆☆

اس پاک باز شوہر نے اپنی رفیقہ زندگی سے الفت اور اس کی قدر افزائی کی انتہا کر دی۔ اس کی زندگی میں کسی اور رفیقہ حیات کا خیال تک نہ لایا۔ اس کے مرنے کے بعد بھی اسے اسی طرح یاد کرتا رہا جیسے زندگی میں یاد کرتا تھا۔ اگر کبھی اپنے گھر کے اندر کوئی بکری ذبح کی، تو اس مرنے والی رفیقہ حیات کی سہیلیوں کے پاس ران یا دست بھجوا دیتا۔

صدیقہ بنت صدیق نے اس مرنے والی کو نہیں دیکھا تھا، لیکن بن دیکھے ہی اس پر رشک کیا کرتی تھی، کیونکہ اس کا شوہر بار بار اس مرنے والی رفیقہ زندگی کا ذکر کیا کرتا تھا۔ ایک دن بولی:

"یہ آپ کیا بار بار اس عورت کا ذکر فرمایا کرتے ہیں جو بڑھیا تھی جس کے چہرے پر جھریاں

بن آ گئی تھیں؟ اب تو اللہ نے آپ کو اس سے بہتر بیوی دی ہے"۔
شاید آج پہلا موقع تھا کہ شوہر پاکباز کے چہرے پر جلال کے آثار پوری طرح نمایاں ہو گئے اور صدیقہ نے خدا کی طرف رجوع کر کے دل میں کہا: مولا! اگر تو آج اس جلال کو دور فرما دے تو میں عہد کرتی ہوں کہ اس مرنے والی پر طنز کرنے والا کوئی لفظ بھی زندگی میں زبان سے نہ نکالوں گی۔
اس جلال کے عالم میں صدیقہ کو جواب یوں ملا:
"خدا نے مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں دی۔ اس نے اس وقت میری تصدیق کی جب دنیا مجھے جھٹلا رہی تھی۔ اس وقت مجھ پر ایمان لائی جب سب کے سب انکار کر رہے تھے۔ اپنا مال اس وقت مجھ پر نچھاور کیا جب لوگوں نے مالی امداد سے مجھے محروم رکھا تھا اور مجھے اللہ نے اولاد بھی اسی کے بطن سے بخشی۔ قاسم، عبداللہ، زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ"۔

☆☆☆

یہ پیغامبر بلاشبہ بشر تھا اور بشریت کے تمام تقاضے بھی رکھتا تھا، لیکن اس کی پسندیدگی محض صورت کی وجہ سے نہ تھی۔ اس کی نظر ان انسانی اقدار پر تھی جو صورت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں۔ سیدہ خدیجہ کی اولیت اسلام، ایمانی پختگی، ایثار، خدمات، اخلاص، ثابت قدمی یہ وہ اقدار تھیں جنہوں نے اس کا درجہ سب سے بلند کر دیا تھا۔
دنیا میں خدیجہ جیسی رفیقہ حیات کسے مل سکتی ہے؟

☆☆☆

بدر میں پہلی بار کفر و اسلام کی ٹکر ہوئی اور پہلی مرتبہ کفر کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی۔ ستر بہتر قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ معاملہ یہ درپیش تھا کہ ان کی ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ کسی نے کہا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے ہاتھ سے اپنے اپنے رشتے دار کو اسی طرح قتل کرے جس طرح میں نے اپنے سگے ماموں عاص بن وائل کو قتل کیا ہے۔ دوسروں نے کہا: نہیں، انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس وقت ہمیں مالی مدد کی بھی ضرورت ہے۔ اکثر رائے ادھر ہی تھی، چار ہزار درہم فدیہ مقرر کر دیا گیا۔ ان میں ایک قیدی "ابوالعاص" بھی تھا اس کی رہائی کے لئے رفیقہ حیات..... زینب..... نے جو مال بھیجا اس میں ایک چاندی کا ہار بھی تھا جو اسے اس کی ماں کے جہیز میں ملا تھا۔ اس ہار پر نظر پڑتے ہی ہار والی کے باپ کی آنکھیں بے ساختہ اشک بار

ہو گئیں۔

خداوندا! یہ کیا ہو گیا؟ ہچکیاں بندھ گئیں، قیدیوں میں نقشِ ملا ہو... یہ ہے، وہ عم زاد بھائی ہیں، ... دیکھ کر ترس نہ آیا۔ سب سے فدیہ وصول کر لیا۔ لیکن اس ہار میں کیا سحر تھا کہ آنکھیں آنسوؤں ... سیلاب بہانے لگیں؟ ہاں بات سمجھ میں آ گئی۔ یہ اسی رفیقہ حیات کا ہار ہے جو اس کی بیٹی زینب ... ترکے میں ملا تھا۔ بیٹی کے باپ نے فوراً ہار کو پہچان لیا۔ اسے ہار کی مالیت سے کوئی دلچسپی نہ تھی ... والی سے دلچسپی تھی۔ وہ ہار والی جو ایمان کی بازی میں اپنی ساری متاع ہار چکی تھی اور اس کا یہ ہار ... اسی کی نشانی تھا۔ اسے دیکھتے ہی زینب کے پدر بزرگوار کا ذہن ایک دوسری دنیا کی سیر میں ... ہو گیا۔ ماضی کی یادیں تازہ ہو گئیں، جیسے حال نے ماضی کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دی ہو۔ رفیقہ حیات کی ساری زندگی اس کے اخلاص و ایثار کے ساتھ ایک مقدس فلم کی طرح نگاہوں کی سامنے گھومنے لگی..... وہ ماضی کی یاد میں کھویا ہوا..... بے اختیار رو رہا تھا اور یہ منظر دیکھ کر کائنات کا ایک ایک ذرہ تڑپ اٹھا۔ اس کے یار و انصار بھی اشک بار ہونے لگے۔ یکا یک وہ ماضی سے چونک کر حال میں آیا اور ایک کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ عدل کہہ رہا تھا کہ جو سلوک سارے قیدیوں کے ساتھ ہو، وہی ابوالعاص کے ساتھ بھی ہونا چاہیے۔ اور رفیقہ حیات کی قربانیاں مجبور کر رہی تھیں کہ ساری کائنات اس زندہ یادگار خدیجہ کے حوالے کر دو۔

محمدؐ ہماری جان و مال اور ساری متاع کا مالک و مختار ہے۔ اس کا جو فیصلہ ہو وہی عین رب ... بھی فیصلہ ہے۔ وہ ہر طرح کی رعایت جسے چاہے اسے دینے کا مجاز تھا۔ کون بدبخت اس سے انکار کر کے اپنے ایمان کو غارت کرنے کی جرات کر سکتا تھا؟ اس نے محبت خدیجہؓ اور احترام ... دونوں میں حسین امتزاج کرتے ہوئے اپنے جانثاروں سے مخاطب ہو کر کہا:

''اگر تم کہو تو یہ ہار زینبؓ..... بنت خدیجہؓ...... کو واپس کر دیا جائے''۔

کس کی جرات تھی جو اس کا جواب نفی میں دیتا؟ گردنیں جھک گئیں۔ گویا اس امت نے..... جس سے بہتر امت کبھی نہ ہوئی اور نہ کبھی ہو سکے گی...... پانچ سال پہلے کی مرنے والی رفیقہ حیات کے فضل اور غیر معمولی شرف و امتیاز کا اعتراف کرا لیا۔ یہ کوئی وہبی شرف نہ تھا جو ولی خدا کے ہاں سے لے کر آیا ہو۔ یہ نتیجہ تھا صداقت، ایمان، اخلاص، ایثار، قربانی، استقامت، اور ان خدمات کا جن میں اس رفیقہ زندگی کی ساری زندگی گزر گئی۔

عمر فاروق عبداللہ

(امریکہ)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

ذیل میں ہم ایک امریکی نومسلم بھائی عمر فاروق عبداللہ کی ریڈیو تقریر شائع کر رہے ہیں جو انہوں نے وینکور (کینیڈا) کے ریڈیو اسٹیشن سے اردو پروگرام میں نشر کی۔ عمر فاروق عبداللہ یونیورسٹی آف شکاگو میں علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں اور ان کا خاص موضوع اصول فقہ ہے۔ ان کی تقریر میں ایک سچے مسلمان کا جو جذبہ اور جوش ہے وہ ہم سب کے لئے مثالی نوعیت کا حامل ہے۔ سب سے دلچسپ اور ایمان افروز بات یہ ہے کہ عمر فاروق نے خود اپنے مطالعہ سے اور اپنی روحانی جدوجہد کی بنیاد پر وہ راستہ اختیار کیا جس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کے نور سے نوازا۔ اسلام کی حقانیت اور اس کی ابدی اور عالمگیر پیغام کی سچائی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ تقریر انہوں نے خود اردو میں لکھی ہے۔ اسلام اور اسلامی علوم سے ان کی محبت اور دلچسپی کا ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے پانچ سال کی قلیل مدت میں نہ صرف یہ کہ عربی زبان پر عبور حاصل کیا بلکہ اب بڑی تیزی سے یونیورسٹی آف شکاگو کے ساؤتھ ایشیاء ڈیپارٹمنٹ میں اردو بھی سیکھ رہے ہیں۔ عمر عبداللہ حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ سعودی عرب، مصر اور نائجیریا جا چکے ہیں اور اپنی ڈاکٹریٹ مکمل کرنے کے بعد پاکستان آنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ وہ شادی شدہ ہیں اور ایک پیاری سی بچی "ایمان" کے باپ ہیں۔

☆☆☆

میں 1970ء میں مسلمان ہوا۔ اس سے پہلے میں کورنیل یونیورسٹی میں انگریزی ادب کا طالب علم تھا۔ کالج کے ابتدائی سالوں میں، میں تاریخ کا بھی طالبعلم رہا۔ مجھے عیسائیت کی ابتدائی تاریخ سے بے حد دلچسپی تھی۔ خصوصاً آریاؤں وغیرہ کے بارے میں جن کے ہاں

وحدانیت یعنی ایک خدا کا تصور تھا چنانچہ مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ عیسائیت میں تین خدا کا تصور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیا ہوا نہیں ہے۔ میرے والد خود ایک معلم رہے ہیں۔ انہوں نے Bio-Chemistry (حیاتیاتی کیمیا) اور علم الحیوانات میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ وہ ایک خدا کے وجود کو مانتے ہیں اور تین خدا کے تصور کے خلاف تلقین کرتے رہے ہیں۔

فلسفہ اور ادب کے مطالعہ نے میرے خیالات میں گہرائی اور گیرائی پیدا کی۔ اس دوران میں مجھے Spinoza اور Leibnitz کو پڑھنے کا موقع ملا۔ ان دونوں کے پاس توحید کا جو تصور تھا اس نے مجھے متوجہ کیا۔ انگریزی ادب میں، میں جان ملٹن John Milton سے کافی متاثر رہا۔ ملٹن کو میں انگریزی کا بہت بڑا شاعر تسلیم کرتا ہوں۔ اس کی آخری شاعری میں توحید کا واضح رجحان ملتا ہے۔ اس کی شاعری میں جنت کا خوشگوار اور دوزخ کا بھیانک تصور پوری طرح ابھر کر ہوتا ہے۔ ملٹن نے نہ صرف اس ایمان کا اظہار کیا کہ خدا ایک ہے بلکہ یہ بھی کہا کہ جنت میں داخلے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اشیر باد ضروری ہے۔

اس نے لاطینی، یونانی اور عبرانی ادب کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ Polygamy یعنی ایک سے زیادہ شادیاں کرنا بائبل کے پیغمبروں کے عین مطابق ہے۔

ان کے مطالعہ کے بعد مشہور سیاسی لیڈر میلکم ایکس Malcom X کی سوانح عمری نے میرے ذہن پر خوشگوار اثرات مرتب کئے، وہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس کا مسلم نام الملک الشہباز تھا۔ بعد میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ توحید یعنی وحدانیت کو اپنانے ہی میں امریکہ کی فلاح اور بھلائی ہے اور اسی طرح امریکہ کو نسلی امتیازات اور دوسری سماجی برائیوں سے پاک کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت تک مجھے اسلام کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھی بلکہ سچ کہیے تو اسلام کے بارے میں غلط تصورات تھے کہ یہ ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والی بات ہے۔ اس کے بعد جب میں نے مطالعہ کیا تو یہ اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے اور میں یہ جان کر متعجب ہوا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے اور اسلام صرف عربوں کا نہیں بلکہ پاکستان، ہندوستان،

انڈونیشیا، یوگوسلاویہ اور کئی دوسرے ممالک کے لوگوں کا مذہب ہے۔

میں نے قرآن پاک کے ایک انگریزی ترجمہ کا مطالعہ کیا جو [illegible] تھا اور جس میں حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے حالات بھی درج تھے۔ مجھے یقین کرنا پڑا کہ بے شک آپ پیغمبر اور رسول ہیں، کیونکہ بائبل میں پیغمبروں کی جو خصوصیات درج تھیں ان پر آپ پورا اترتے تھے۔ اتفاق سے ایک جمعہ تھا جس دن کہ میں ایمان لایا اور مسلمان ہوا۔ ہاں میں بغیر کسی مسلم کی مدد کے اور دعوت کے مسلمان ہوا۔ صرف اپنے ذاتی مطالعہ کی وجہ سے۔

مسلمان ہونے کے بعد MSA سے اور دوسرے مسلمانوں سے میری جان پہچان ہوئی۔ MSA کے سالانہ کنونشن میں شرکت کرنے کے بعد مجھے اسلام کی حقیقی روح کا اندازہ ہوا جہاں مختلف ممالک کے اور مختلف زبانیں بولنے والے مسلمانوں کو ایک ساتھ دیکھنے اور ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بہت سے ایسے لوگ جو مسلمان خاندانوں میں پیدا ہوئے اور مسلم نام رکھتے ہیں، وہ اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں کرتے۔ مجھے بہت جلد احساس ہو گیا کہ جب مسلمان اسلام پر قائم ہے تو وہ بہت ہی نیک سیرت اور اعلیٰ ہے اور اگر اسلام پر قائم نہیں تو وہ حقیر ترین اور انتہائی پست ہو سکتا ہے۔

قومیت کے بارے میں..... صحیح بات تو یہ ہے کہ قومیت چاہے وہ ہندوستانی ہو یا پاکستانی، عربی ہو یا امریکی، چینی ہو یا برطانوی ہمیشہ اپنے طور پر ایک غیر منصفانہ بات ہے..... کسی انسان کو یہ آزادی نہیں کہ وہ اپنے طور پر کسی شہریت کو اختیار کرے جو شخص جہاں پیدا ہوتا ہے، وہ وہیں کا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میں امریکہ میں پیدا ہوا ہوں۔ میں پاکستانی یا ہندوستانی نہیں ہو سکتا۔ البتہ میں مسلمان ہو سکتا ہوں جس کا مجھے اختیار ہے، جب کہ قومیت کا نہیں۔

آرنلڈ ٹائن بی مشہور مورخ نے کہا ہے کہ بیسویں صدی کی سب سے بڑی لعنت قومیت ہے۔ اس نے کہا کہ اس وقت دنیا کے ممالک معاشی طور پر ایک دوسرے کے پابند ہیں۔ قومیت ایک بیماری ہے۔ غلط اصولوں پر یہ ایک قوم کو دوسری قوم سے لڑا کر رکھ دیتی ہے۔ اسلام کی بنا

قومیت پر نہیں بلکہ سچائی اور عقیدے پر ہے۔ قومیت دراصل یہودیوں کا طریقہ ہے۔ کوئی ایسا
یہودی ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہودی گھرانے میں پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ میں اب ایک
یہودی خاندان میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن مسلمان ہونے کے لئے ضروری نہیں۔ چاہے آپ کا
تعلق کسی بھی نسل سے ہو، کسی بھی ملک سے ہو، کسی زبان سے ہو اگر آپ سچائی پر ایمان لاتے
ہوں تو مسلمان ہو سکتے ہیں۔ آپ کو آزادی ہے اور یہی انصاف ہے۔

آخر میں، میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اچھا مسلم بننا چاہیے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''خدا ان لوگوں کو کیسے ہدایت کرے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، جنہوں نے رسول ﷺ کے سچے ہونے کا اقرار کیا اور جن کے پاس خدا کی واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں۔ خدا ایسے نامعقول اور بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ ان پر تو لعنت ہے خدا کی، فرشتوں کی اور تمام انسانیت کی''۔

یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ خدا نے ان پر اپنی لعنت اور فرشتوں کی لعنت کے ساتھ ساتھ انسانیت کی لعنت کیوں بھیجی ہے؟ ان پر تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کی لعنت ہے۔ مسلمانوں کی لعنت اس لئے کہ انہوں نے ایمان نہ لا کر سچائی کا راستہ چھوڑ دیا اور مسلمانوں سے الگ ہو گئے۔ ان پر غیر مسلموں کی لعنت اس لئے کہ انہوں نے اپنے طور طریقوں سے انہیں سچائی اور انصاف کا راستہ اختیار کرنے سے باز رکھا۔

آثار قدیمہ میں طوفان نوح کے ثبوت

ہارون شیخ

ترجمہ: ''اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے۔ پھر تو انہیں (قوم نوح کو) طوفان نے آ پکڑا اور وہ تھے بھی ظالم۔''

طوفان نوح جس کا حوالہ تقریباً تمام تہذیبوں میں موجود ہے، ایک ایسا واقعہ ہے جسے قرآن نے خاصی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حضرت نوحؑ کا اپنی قوم کے پاس جانا، انہیں ہدایت کی طرف بلانا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانا، جواباً قوم نوح کا اپنی غلط کاریوں پر ڈٹے رہنا اور آخر کار طوفان رونما ہونے کی واضح تفصیلات کئی آیات مبارکہ میں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت نوحؑ کو اس قوم میں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ لوگ اللہ کی آیات واحکامات و بھول چکے تھے اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی عبادت میں شریک کرنے لگے تھے.... یعنی شرک میں مبتلا تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام ان لوگوں کے پاس یہی دعوت لے کر گئے تھے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں لہٰذا وہ شرک کو چھوڑ کر توحید پر واپس آ جائیں۔ تاہم حضرت نوح علیہ السلام کی بار بار تلقین اور تنبیہ کے باوجود یہ لوگ اللہ کے حکم کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور اپنی خرافات میں مصروف رہے تو حضرت نوحؑ نے انہیں اللہ کے عذاب سے خوف دلایا۔ مگر وہ پھر بھی شرک سے باز نہ آئے۔ سورۃ المومنون میں اس واقعے کی تفصیلات کچھ یوں بیان کی گئی ہیں:

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اس نے کہا کہ ''اے میرے قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم اس سے نہیں ڈرتے؟'' اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ ''یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا، ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں سنا نہیں''۔ ''یقیناً اس شخص کو جنون ہے پس تم اسے ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دو''۔ نوح علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر''۔

جیسا کہ ان آیات مبارکہ میں بتایا گیا ہے، اس قوم کے سرداروں نے حضرت نوحؑ کی بات ماننے کے بجائے الٹا ان پر یہ الزام لگا دیا کہ وہ ان لوگوں پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے

ہیں۔ یعنی یہ کہ معاشرے میں بلند مرتبے، دولت یا اختیار وغیرہ جیسی ذاتی خواہشات کا حصول ان کے پیش نظر ہے۔ قوم نوحؑ کے لوگوں نے انہیں پاگل تک قرار دیا اور فیصلہ کیا کہ انہیں کچھ عرصہ کے لئے "برداشت" کیا جائے اور حضرت نوحؑ کو دباؤ میں لئے رکھا۔

اس پر اللہ نے اپنے رسول، نوح علیہ السلام کو دلاسہ دیا اور کہا کہ جن لوگوں نے ہدایت کو جھٹلایا ہے، انہوں نے بھاری غلطی کی ہے اور تمام غلط کاروں کو سزا کے طور پر ڈبو دیا جائے گا، جبکہ ایمان لانے والوں کا بچا لیا جائے گا۔

جب سزا کا لمحہ واقعی آن پہنچا تو زمین سے پانی کے چشمے تیزی سے پھوٹ پڑے اور ان کے ساتھ ساتھ آسمان سے تیز بارش بھی برسنے لگی۔ اسی وجہ سے ایک سیلاب برپا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو حکم دیا کہ وہ کشتی پر ساری انواع کا ایک ایک جوڑا، نر اور مادہ رکھ لیں۔ اور اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ لے لیں مگر انہیں چھوڑ دیں جو اللہ کی دعوت پر ایمان نہیں لائے تھے اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا ہے۔ اس سرزمین کے تمام لوگ پانی میں ڈوب گئے جن میں حضرت نوحؑ کا مشرک بیٹا بھی شامل تھا، جس کا یہ خیال تھا کہ وہ کسی اونچے پہاڑ پر پناہ لے کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ سب ڈوب گئے اور صرف وہی بچ رہے جو کشتی نوحؑ پر سوار تھے۔ جب سیلاب کے اختتام پر پانی تھم گیا اور "معاملہ ختم کر دیا گیا" تو وہ کشتی "جودی" پر، یعنی ایک اونچی جگہ پر جا لگی، جیسا کہ قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے۔

آثار قدیمہ، ارضیات اور تاریخ کے میدانوں میں کیے گئے مطالعات سے پتا چلتا ہے کہ یہ واقعہ بالکل ویسے ہی ہوا تھا جیسے قرآن پاک نے ارشاد فرمایا ہے۔ متعدد قدیم تہذیبوں کے ریکارڈز اور کئی تاریخی دستاویزات میں ایسے ہی ایک طوفان کا تذکرہ ملتا ہے۔ اگرچہ ان دوسرے واقعات میں جگہوں اور افراد کے نام مختلف ہیں لیکن ہر تہذیب میں یہ ضرور موجود ہے کہ "ایک نافرمان اور گمراہ قوم کو سیلاب میں غرق کر دیا گیا" اور یہ واقعہ لوگوں کے عبرت پکڑنے کے لئے سنایا جاتا تھا۔

صرف جہاں قدیم اور جدید دنیا میں نہیں بلکہ کیسری اور اشوریہ دبابل کے ریکارڈ، یونانی دیومالاؤں، شتاپتھ، ہندوستان کے برہمن اور مہا بھارت قصوں، جزائر برطانیہ کی قدیم ویلش کہانیوں، نارڈک ایڈا، لتھوانیا کی داستانوں اور بعض چینی کہانیوں تک میں ایک سیلاب کے

بارے میں طوفان نوح سے ملتے جلتے واقعات کا تذکرہ موجود ہے۔
پہلے مرحلے میں یہ کہ ایسی مفصل اور مسلسل معلومات، جغرافیائی و تمدنی اعتبار سے جداگانہ اور
دور دراز مقامات تک پہنچ گئی ہوں جبکہ وہ ایک دوسرے سے اور طوفان نوح کے علاقے سے بہت دور
ہیں؟ اس کا جواب بہت صاف ہے: وہ تہذیبیں جو ایک دوسرے سے بہت دور ہیں، اور ماضی
میں جن کے ایک دوسرے سے رابطے کا بہت معمولی سا امکان ہے، ان کی دستاویزات و مخطوطات
میں ایک جیسے کسی واقعے کی موجودگی اس امر کا ثبوت ہے کہ ان تمام لوگوں تک اس طوفان کی خبر
کسی مقدس وسیلے سے ہی پہنچی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے طوفان نوح کا قصہ کئی پیغمبروں نے اپنی
قوموں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور راہ ہدایت اختیار کرنے کے لئے سنایا تھا۔ اب چونکہ وہ
پیغمبران مختلف جغرافیائی مقامات پر مختلف زمانوں میں بھیجے گئے تھے لہٰذا ان میں سے بیشتر کے
اصل نام اور تعلیمات تو آنے والی نسلوں نے بھلا دیں مگر ان واقعات کو دیومالائی داستانوں کی
طرح یاد رکھا۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ طوفان نوح سے ملتے جلتے واقعات تقریباً تمام تہذیبوں میں
پائے جاتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے کہا، ہزاروں برس کے دوران حضرت نوح علیہ السلام اور طوفان نوح کی
درست تفصیل جب کئی نسلوں سے گزری تو اس میں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ کہیں سنانے والے
نے اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ لیا، کہیں سننے والے نے غلط سنا تو کہیں کہنے والے کی اپنی نیت میں
بھی فتور آ گیا۔ تاہم تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ طوفان کے قصے کی ظاہری تفصیلات اور افراد
کے نام ایک دوسرے سے مختلف کیوں نہ ہوں لیکن یہ سب دراصل ایک ہی واقعے (طوفان نوح)
کی تبدیل شدہ شکلیں ہیں۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ طوفان نوح کی سب سے
درست اور موزوں ترین تفصیلات صرف قرآن پاک میں دی گئی ہیں۔

قرآن پاک میں حضرت نوحؑ اور طوفان نوحؑ کا واقعہ

قرآن پاک کی کئی آیات میں طوفان نوح کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ذیل میں ان آیات قرآنی
کو واقعات کی ترتیب کے اعتبار سے درج کیا جا رہا ہے:

حضرت نوح کا اپنی قوم کو سچے دین کی دعوت دینا

ترجمہ: ''ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے فر... ... میری

تو تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں۔ مجھ کو تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے"۔ (سورۃ الاعراف۔ آیت 59)

ترجمہ: "سنو! میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔ پس تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات مانی چاہیے۔ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے۔ پس تم اللہ کا خوف رکھو اور میری فرمانبرداری۔" (الشعراء۔ آیات 107 تا 109)

ترجمہ: "یقیناً ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم (اس سے) نہیں ڈرتے؟" (سورۃ المومنون۔ آیت 23)

حضرت نوح اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے خبردار کرتے ہیں

ترجمہ: "یقیناً ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا دو (اور خبردار کر دو) اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آ جائے"۔ (سورۃ نوح۔ آیت 1)

ترجمہ: "(نوح نے کہا) تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور اس پر ہمیشگی کی سزا اتر آئے"۔ (سورۃ ہود۔ آیت 39)

ترجمہ: "تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے"۔ (سورۃ ہود۔ آیت 26)

قوم نوح کا انکار

ترجمہ: "ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں"۔ (سورۃ الاعراف۔ آیت 60)

ترجمہ: "قوم کے لوگوں نے کہا اے نوح! تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی۔ اب تو جس چیز سے ہمیں ڈرا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ، اگر تو سچوں میں ہے"۔ (سورۃ ہود۔ آیت 32)

ترجمہ: "وہ (نوح) کشتی بنانے لگے۔ ان کی قوم کے جو سردار ان کے پاس سے گزرتے ان کا مذاق اڑاتے۔ وہ کہتے اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم

ہیں ہو"۔ (سورۃ ہود۔ آیت 38)

ترجمہ: "اس (نوح) کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے۔ یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا۔ ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں سنا ہی نہیں۔ یقیناً اس شخص کو جنون ہے، پس تم اسے ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دو"۔ (سورۃ المومنون۔ آیات 24 تا 25)

ترجمہ: "ان سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا اور دیوانہ بتلا کر جھڑک دیا تھا"۔ (سورۃ القمر۔ آیت 9)

حضرت نوح پر ایمان لانے والوں کو قوم نوح بے عزت کرتی ہے

ترجمہ: "اس کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں۔ اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ واضح طور پر سوائے نیچ لوگوں کے اور کوئی نہیں جو بے سوچے سمجھے (تمہاری پیروی کر رہے ہیں) ہم تو تمہاری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں"۔ (سورۃ ہود۔ آیت 27)

ترجمہ: "قوم نے جواب دیا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں! تیری تابعداری تو رذیل لوگوں نے کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے رہے؟ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے، اگر تمہیں شعور ہو تو۔ میں ایمان داروں کو دھکے دینے والا نہیں۔ میں تو صاف طور پر ڈرا دینے والا ہوں"۔ (سورۃ الشعراء۔ آیات 111 تا 115)

اللہ کی جانب سے حضرت نوح کو تسلی دی جاتی ہے

ترجمہ: "نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے، ان کے سوا اور کوئی اب ایمان لائے گا ہی نہیں، پس تو ان کے کاموں پر غمگین نہ ہو"۔ سورۃ ہود۔ آیت 36)

حضرت نوحؑ دعا فرماتے ہیں

ترجمہ: "پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے باایمان ساتھیوں کو نجات دے"۔ (سورۃ الشعراء۔ آیت 118)

ترجمہ: "پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں، تو میری مدد کر"۔ (سورۃ القمر۔ آیت 10)

ترجمہ: ''(نوح علیہ السلام نے) کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا ہے۔ مگر میرے بلانے سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے''۔ (سورۃ نوح۔ آیت 5 تا 6)

ترجمہ: ''(نوح علیہ السلام نے) دعا کی: اے میرے رب ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر''۔ (سورۃ المومنون۔ آیت 26)

ترجمہ: ''اور ہمیں نوح علیہ السلام نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں''۔ (سورۃ الصفت۔ آیت 75)

کشتی کی تیاری

ترجمہ: ''اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی سے تیار کر، اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر، وہ پانی میں ڈبو دیئے جانے والے ہیں''۔ (سورۃ ہود۔ آیت 37)

قوم نوح کو غرق کر کے نابود کر دیا گیا

ترجمہ: ''سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح کو اور ان کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے، بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے''۔ (سورۃ الاعراف۔ آیت 64)

ترجمہ: ''بعد ازاں باقی کے تمام لوگوں کو ہم نے ڈبویا''۔ (سورۃ الشعراء۔ آیت [illegible])

ترجمہ: ''اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ وہ ان میں ساڑھے [illegible] تک رہے۔ پھر تو انہیں طوفان نے آ پکڑا، اور وہ تھے بھی ظالم''۔ (سورۃ العنکبوت۔ آیت 14)

ترجمہ: ''غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور جو ایمان لانے والے نہ تھے''۔ (سورۃ الاعراف۔ آیت 72)

حضرت نوحؑ کا ''بیٹا'' غرق ہوا

طوفان کے ابتدائی لمحوں میں حضرت نوح کے بیٹے کا مکالمہ بھی قرآن پاک نے بیان فرمایا ہے جو درج ذیل ہے:

ترجمہ: ''وہ کشتی انہیں پہاڑوں جیسی موجوں میں لے کر جا رہی تھی اور نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو ایک کنارے پر تھا، پکار کر کہا کہ اے میرے پیارے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ رہ۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی طرف پناہ میں آ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا: آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں، صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہوا۔ اسی وقت ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں ہو گیا''۔ (سورۃ ہود۔ آیات 42 تا 43)

ایمان والوں کو طوفان سے بچا لیا گیا

ترجمہ: ''چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں (سوار کرا کر) نجات دے دی''۔ (سورۃ الشعراء۔ آیت 119)

ترجمہ: ''پھر ہم نے انہیں اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس واقعے کو ہم نے تمام جہان کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا''۔ (سورۃ العنکبوت۔ آیت 15)

طوفان کی ظاہری نوعیت

ترجمہ: ''پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے کھول دیا۔ اور زمین سے چشموں کو جاری کر دیا۔ پس اس کام کے لئے جو مقدر کیا گیا تھا (یعنی) پانی جمع ہو گئے۔ اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر لیا''۔ (سورۃ القمر۔ آیات 11 تا 13)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور ابلنے لگا (تو) ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے (جانداروں میں سے) جوڑے (یعنی) دو (جانور، ایک نر اور ایک مادہ) سوار کرا لے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی، سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے، اور سب ایمان والوں کو بھی، اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔ نوح نے کہا: اس کشتی میں بیٹھ جاؤ، اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے، یقیناً میرا رب بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے۔ وہ کشتی انہیں پہاڑ جیسی موجوں میں لے کر جا رہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو، جو ایک کنارے پر تھا، پکار کر کہا کہ اے میرے پیارے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ رہ''۔ (سورۃ ہود۔ آیات 40 تا 42)

ترجمہ: ''تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے، ہماری وحی کے

مطابق ایک کشتی بنا اور تنور ابل پڑے تو ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس (کشتی) میں رکھ لے اور اپنے اہل کو بھی، مگر ان میں سے جن کی بابت ہماری بات پہلے گزر چکی ہے۔ خبردار! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کرنا، وہ تو سب ڈبوئے جائیں گے۔

(سورۃ المومنون۔ آیت 27)

کشتی ایک بلند مقام پر جا ٹھہری

''فرما دیا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا، اور آسمان بس کر تھم جا۔ اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی ''جودی'' پر جا لگی اور فرما دیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو۔''

(سورۃ ہود۔ آیت 44)

طوفان نوح کے واقعے کے بارے میں ہدایت

ترجمہ: ''جب پانی میں طغیانی آ گئی تو اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھا لیا۔ تاکہ اسے تمہارے لئے نصیحت اور یادگار بنا دیں، اور تاکہ یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں''۔

(سورۃ الحاقۃ۔ آیات 11 تا 12)

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی تعریف کی

ترجمہ: ''نوح علیہ السلام پر تمام جہانوں میں سلام ہو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں۔ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا''۔

(سورۃ الصفت۔ آیات 79 تا 81)

مقامی یا عالمگیر طوفان؟

طوفان نوح کی حقیقت سے انکار کرنے والے اکثر اپنے اس دعوے کی دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ کسی سیلاب کا عالمی پیمانے پر یوں برپا ہو جانا قطعاً ناممکن ہے۔ تاہم بغور جائزہ لیا جائے تو طوفان نوح سے انکار، قرآن پاک کی صداقت پر بھی ایک حملہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ طبقہ کہتا ہے کہ قرآن سمیت دوسری تمام الہامی کتابوں میں کسی عالمی طوفان کا تذکرہ کیا گیا ہے...... یہی ان کی سب سے بڑی غلط فہمی ہے۔

قرآن کے حوالے سے ان کا یہ انکار بالکل بھی درست نہیں کیونکہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے جو چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے۔

قرآن پاک طوفان نوح کے بارے میں جو نقطۂ نظر پیش کرتا ہے وہ پنٹا ٹیوخ اور "بڑے سیلاب" کی روایت کہانیوں سے کہیں مختلف ہے جو دوسری تہذیبوں کا حصہ ہیں۔ پنٹا ٹیوخ، قدیم عہد نامہ کی پہلی پانچ کتابوں کا مجموعی نام ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ طوفان نوح ایک عالمی طوفان تھا جس نے ساری دنیا کو گھیر لیا تھا۔ اس کے برعکس قرآن پاک میں ایسی کوئی بات موجود نہیں ہے۔ طوفان کے حوالے سے جتنی بھی آیات قرآنی وارد ہوئی ہیں ان سے یہی پتا چلتا ہے کہ طوفان نوح ایک مقامی واقعہ تھا جس نے پوری دنیا کو نہیں بلکہ صرف اس علاقے کو غرق کیا تھا جہاں قوم نوح آباد تھی۔ یعنی وہ لوگ جنہیں حضرت نوح نے اللہ کا پیغام پہنچا کر تنبیہ کر دی تھی اور اس ہدایت پر انکار کے باعث یہ عذاب ان کا مقدر بنا دیا گیا تھا۔

جب قدیم عہد نامہ اور قرآن پاک میں طوفان نوح کے حوالے سے آنے والے واقعات کا موازنہ کیا جاتا ہے تو فرق واضح ہو جاتا ہے۔ قدیم عہد نامہ، جس میں وقت کے ساتھ ساتھ کئی تبدیلیاں اور اضافہ جات ہوتے رہے ہیں، آج اپنی اصل شکل میں نہیں ہے اور جسے اصل الہامی کتاب نہیں سمجھا جا سکتا، طوفان نوح کی ابتداء کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا برے ہی ہوتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندے تک، کیونکہ میں ان کے بنانے پر ملول ہوں۔ مگر نوح خداوند کی نظر میں مقبول ہوا''۔ (قدیم عہد نامہ۔ باب پیدائش۔ 6:5-8)

البتہ، قرآن پاک میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ساری دنیا نہیں بلکہ صرف قوم نوح کو تباہ کیا گیا تھا۔ جیسے حضرت ہود کو صرف قوم عاد پر بھیجا گیا تھا (سورۃ ہود۔ آیت 50)، حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود پر (سورۃ ہود۔ آیت 61) اور حضور نبی کریم ﷺ سے پہلے تمام پیغمبروں کو صرف انہی کی اقوام کے پاس ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا، اسی طرح حضرت نوح کو بھی صرف انہی کی قوم پر بھیجا گیا تھا اور طوفان نوح نے صرف قوم نوح ہی کو غرق کیا۔

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا (جن کی دعوت

تھی) کہ میں تمہیں صاف صاف ہوشیار کر دینے والا ہوں۔ کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے"۔ (سورۃ ہود۔ آیات 25 تا 26)

وہ جنہیں تباہ و برباد اور غرقاب کیا گیا، وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت نوح کی دعوت اور تنبیہ پر توجہ نہ دی اور اپنی انہی لغویات میں مبتلا رہے۔ اس بارے میں بھی قرآن پاک کی آیات بہت واضح ہیں:

ترجمہ: ''سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے، تو ہم نے نوح علیہ اسلام کو اور ان کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے، بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔ (سورۃ الاعراف۔ آیت 64)

ترجمہ: ''غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور جو ایمان لانے والے نہ تھے"۔ (سورۃ الاعراف۔ آیت 72)

علاوہ ازیں، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں یہ فرمادیا ہے کہ کسی بھی قوم کو اس وقت تک تباہ نہیں کیا جاتا، جب تک اس پر کوئی ہدایت دینے والا بھیج نہ دیا جائے۔ تباہی صرف اسی وقت آسکتی ہے جب اللہ کی طرف سے کوئی تنبیہ کرنے والا، کسی قوم میں آچکا ہو اور وہ قوم اس تنبیہ کرنے والے کو جھٹلا چکی ہو۔ یہ اصول اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے:

ترجمہ: ''تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا، جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی پیغمبر نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جبکہ وہاں والے ظلم و ستم پر کمر کس لیں"۔ (سورۃ القصص۔ آیت 59)

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ (سنت اللہ) ہی نہیں ہے کہ وہ ایسی کسی قوم کو تباہ کر دے، جس پر اس نے کوئی تنبیہ کرنے والا نہ بھیجا ہو۔ اسی طرح حضرت نوح کو بھی صرف اس کی قوم پر ہدایت دینے والا بنا کر بھیجا گیا تھا۔ لہٰذا یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر کو جھٹلانے اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر صرف قوم نوح کو غرق کیا گیا تھا، نہ کہ ایسی دوسری اقوام کو بھی ساتھ میں غرق کر دیا گیا کہ جن پر کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا تھا۔

ارشاداتِ قرآنی کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ طوفان نوح بھی ایک مقامی نوعیت کا تھا، اور یہ کہ ساری دنیا اس سیلاب کی زد میں نہیں آئی تھی۔ وہ علاقہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں طوفان نوح رونما ہوا ہوگا، وہاں آثارِ قدیمہ کی کھدائی سے بھی یہی پتا چلا ہے کہ یہ طوفان کوئی عالمگیر واقعہ نہیں تھا جس نے ساری دنیا کو ڈبو دیا۔ بلکہ جیسا کہ ہم اس مضمون میں آگے چل کر تفصیلی جائزہ لیں گے، یہ ایک بہت وسیع قدرتی آفت تھی جس نے میسوپوٹیمیا کے ایک بڑے علاقے کو ضرور متاثر کیا تھا۔

کیا تمام جانور سوار کرائے گئے تھے؟

انجیل کے شارحین کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ نے زمین کے تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کیا اور ان جانوروں کا باقی رہ جانا بھی کشتی نوح کا مرہون منت ہے۔ اس عقیدے کے مطابق خشکی پر رہنے والے تمام جانوروں کی انواع کا ایک ایک جوڑا جمع کیا گیا اور انہیں کشتی پر سوار کیا گیا۔

اس خیال کا دفاع کرنے والوں کو لامحالہ کئی سنجیدہ اعتراضات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ کشتی پر سوار کئے جانے والے جانور کو کس طرح کھلایا پلایا جاتا ہوگا، انہیں کشتی پر کیسے رکھا گیا ہوگا، اور پھر ہر جانور کو دوسری نسل کے جانوروں سے کس طرح علیحدہ رکھا گیا ہوگا؟ ان تمام سوالات کے جوابات مہیا کرنا ممکن ہی نہیں۔ علاوہ ازیں، یہ سوال بھی تشنہ جواب ہی رہتا ہے کہ مختلف براعظموں کے جانور کس طرح سے یکجا کئے گئے ہونگے؟ قطبین کی ممالیہ، آسٹریلیا کے کنگرو یا امریکہ میں پائے جانے والے ارنے بھینسوں کو پکڑ کر وہاں تک کیسے لایا گیا ہوگا؟ مزید سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ انتہائی خطرناک جانور مثلاً زہریلے سانپ اور بچھوؤں، اور جنگلی جانوروں وغیرہ کو کیسے پکڑ کر ان کے قدرتی مسکن سے دور لایا اور طوفان آنے تک بحفاظت رکھا گیا ہوگا؟

یہ سب وہ سوالات ہیں جن کا سامنا قدیم عہد نامہ کو کرنا پڑتا ہے۔ قرآن پاک میں ایسا کوئی بیان نہیں ہے کہ زمین کے سارے کے سارے جانور اس کشتی میں سوار کئے گئے تھے۔ ہم پہلے ہی یہ دیکھ چکے ہیں کہ طوفان نوح صرف ایک جغرافیائی خطے میں آیا تھا، لہٰذا اقرین قیاس یہی ہے کہ کشتی پر سوار کئے جانے والے جانور صرف وہی رہے ہونگے جو قوم نوح کے علاقے میں پائے جاتے ہونگے۔

تاہم یہ واضح ہے کہ اس محدود علاقے سے بھی تمام جاندار انواع کو یکجا کرنا بے حد مشکل ہوگا۔ حضرت نوح اور ان پر ایمان لانے والے گنتی کے چند لوگوں کے لئے یہ تصور کرنا بھی محال ہوگا کہ وہ اس علاقے ہی میں پھیل جائیں اور سینکڑوں انواع میں سے ہر ایک کا ایک ایک جوڑا جمع کر کے لائیں۔ یہ معاملہ اس وقت مزید گمبھیر ہو جاتا ہے جب کیڑے مکوڑوں کے جوڑے جمع کرنے ہوں جن میں نر اور مادہ کا تعین کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف وہی جانور پکڑ کر کشتی پر سوار کرائے گئے ہونگے جنہیں پکڑنا اور رکھنا زیادہ آسان ہوگا، خاص طور پر پالتو جانور جو انسان کی اہم ضرورت بھی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ حضرت نوح نے گائے، بھیڑ، بکری، اونٹ اور مرغیوں وغیرہ جیسے جانور ہی کشتی میں سوار کیے ہونگے کیونکہ یہی وہ تمام جانور ہیں جو علاقے میں طوفان سے تباہی پھیلنے کے بعد ایک نئی زندگی کی ابتداء کرنے کے لئے اہم ترین رہے ہونگے۔ (ظاہر ہے کہ طوفان سے باقی کے مال مویشی بھی ڈوب گئے ہونگے۔)

یہاں اللہ کے حکم میں پوشیدہ حکمت بھی سامنے آتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو جانوروں کا ایک ایک جوڑا جمع کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تا کہ طوفان کے بعد اس خطے پر انسانی تہذیب کو نئے سرے سے پروان چڑھانے میں آسانی رہے، نہ کہ اس لئے کہ جانوروں کی انواع کا تحفظ مقصود تھا۔ چونکہ یہ طوفان بھی مقامی نوعیت کا تھا، لہٰذا اس سے جانوروں کی تمام انواع معدوم ہونے کا امکان بھی نہیں تھا۔ بہت ممکن ہے کہ طوفان کے بعد دوسرے علاقوں کے جانور نقل مکانی کر کے وہاں آ گئے ہوں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ علاقہ دوبارہ اسی طرح جانوروں سے آباد ہو گیا ہو جیسے طوفان سے پہلے تھا۔ تاہم طوفان کے فوراً بعد انسانی آبادی کو پروان چڑھانے اور اس کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے جتنے جانور بھی درکار ہونگے، ان کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لیا گیا ہوگا۔

سیلاب کا پانی کتنا اونچا تھا؟

طوفان نوح کے بارے میں ایک اور بحث یہ بھی ہے کہ کیا اس طوفان کا پانی واقعی اتنا بلند تھا کہ اس نے پہاڑوں کی چوٹیوں تک کو ڈھک لیا تھا؟ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ طوفان کے بعد کشتی نوح ''الجودی'' پر جا کر ٹھہری۔ لفظ ''جودی'' کا استعمال عام طور پر ایک مخصوص پہاڑی مقام کے

ہے جو تا ہے۔ عربی لغت میں اس کا مطلب "بلند مقام یا پہاڑی" ہے۔ لہٰذا یہ نکتہ سمجھنا چاہیے
کہ قرآن میں وارد ہونے والا "جودی" کسی مخصوص پہاڑ کا نام لے بجائے یہ بتانے کے لئے
استعمال کیا گیا ہو کہ کشتی نوح کسی بلند مقام پر جا کر ٹھہر گئی۔ علاوہ ازیں "جودی" کے مذکورہ بالا
مفہوم کو سامنے رکھ کر یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ طوفان کا پانی خاصی بلندی تک ضرور پہنچ گیا تھا
مگر اتنا بلند پھر بھی نہیں تھا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں بھی اس میں ڈوب جائیں۔ اس کا ایک مطلب
یہ بھی ہے کہ طوفان نے تمام کا سارا دنیا کو نہیں ڈبویا تھا اور نہ ہی سارے پہاڑوں کی چوٹیاں اس
میں غرق ہوئی تھیں جیسا کہ قدیم عہد نامہ میں لکھا ہے، بلکہ صرف ایک مخصوص علاقہ ہی زیر آب
آیا تھا۔

طوفان نوح کا مقام

میسوپوٹیمیا کی سطح مرتفع کو طوفان نوح کا مقام قرار دیا جاتا ہے۔ اسی خطے میں دنیا کی قدیم
ترین معلوم تہذیبوں کی باقیات بھی موجود ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ دریائے دجلہ و فرات کے
درمیان ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ بہ آسانی کسی بڑے سیلاب کی زد میں آ سکتا تھا۔ ایسے کسی ممکنہ
سیلاب کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دجلہ و فرات، دونوں دریاؤں میں بیک وقت زبردست
طغیانی آ گئی ہو اور اس خطے میں ہر طرف سیلابی پانی موجیں مارنے لگا ہو۔

اس علاقے کو طوفان نوح کی ممکنہ جگہ قرار دینے کی دوسری وجہ تاریخی ہے۔ یہاں متعدد قدیم
تہذیبوں کی دستاویزات میں ایسے بڑے طوفان کا حوالہ موجود ہے جو اسی زمانے کی نشاندہی کرتا
ہے جو حضرت نوح کا زمانہ تصور کیا جاتا ہے۔ قوم نوح کی بربادی دیکھ کر ان تہذیبوں نے بھی
یقیناً اس ضرورت کو محسوس کیا ہوگا کہ طوفان نوح کے وقوع پذیر ہونے اور اس کے نتائج کو باقاعدہ
بیان کیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں اس سے عبرت حاصل کرتی رہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت
ہے کہ "بڑے سیلاب" کا تذکرہ کرنے والی بیشتر داستانوں نے میسوپوٹیمیا کے علاقے ہی سے جنم
لیا ہے۔ تاہم ان میں سے زیادہ اہم وہ آثار قدیمہ ہیں جو یہاں سے دریافت ہوئے ہیں۔ ان
آثار سے پتا چلتا ہے کہ ایک زبردست طوفان واقعی اس علاقے میں تباہی پھیلا چکا ہے، جس کی
تفصیلات کا جائزہ ہم آنے والے صفحات میں لیں گے۔ یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ اسی سیلاب کی
وجہ سے تمدنی پیش رفت، آنے والے کئی سال تک معطل رہی تھی۔ کھدائی سے اس سیلاب کی

باقیات اور ظاہری علامات ہم پر آشکار ہو چکی ہیں۔

میسو پوٹیمیا کے علاقے میں ہونے والی کھدائی سے پتا چلا ہے کہ یہ علاقہ ماضی میں متعدد بار دریائے دجلہ اور دریائے فرات میں زبردست طغیانی کی وجہ سے زیرِ آب آچکا ہے۔ مثلاً 2000 قبل مسیح کے زمانے میں میسو پوٹیمیا کے جنوب میں "ار" (Ur) کی وسیع و عریض سلطنت کے بادشاہ ابی سین کے دورِ حکومت میں ایک سال کو ان الفاظ میں درج کیا گیا ہے: "(یہ سال) اس سیلاب کے بعد آیا جس نے آسمانوں اور زمین کے درمیان حدود ختم کر کے رکھ دی تھی"۔ تقریباً 1700 قبل مسیح میں، جب بابل پر ہیمورابی کی حکمرانی تھی، ایک سال کو اس طور پر نشان زدہ کیا گیا ہے کہ جس میں "طغیانی کی وجہ سے اشنونا کا شہر تباہ و برباد ہو گیا تھا"۔

دسویں صدی قبل مسیح میں، جب نبوکین اپال کا دورِ حکومت تھا، بابل کے شہر میں بھی سیلاب آنے کا واقعہ ریکارڈ پر موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے ساتویں، آٹھویں، دسویں، گیارہویں، اور بارہویں صدی (عیسوی) میں بھی یہاں بڑے سیلاب آچکے ہیں۔ بیسویں صدی بھی بالترتیب 1925ء، 1930ء اور 1954ء میں اسی جگہ پر بڑے سیلابوں کی شاہد رہ چکی ہے۔ ان تمام شواہد سے یہی پتا چلتا ہے کہ یہ علاقہ بار بار سیلابی و غرقابی جیسے سانحات کی زد میں آچکا ہے اور، جیسا کہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے، اس امر کا بھی قوی امکان ہے کہ یہاں کوئی ایسا بڑا اور خوفناک سیلاب آیا ہو جس نے یہاں رہنے والی ایک پوری قوم کو نیست و نابود کر دیا ہو۔

حکمران ایسے بھی ہوتے ہیں

شاہد بلیغ الدین

وہ اللہ کے بندے دنیا کی سب سے بڑی مملکت کے شہنشاہ تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز پہلے ہی خوف خدا سے کانپنے والے تھے۔ اقتدار ہاتھ میں آیا تو اور لرز اٹھے۔ گھر پہنچے تو لونڈی غلام آگے پیچھے ہو گئے۔ ہر ایک مبارکباد دینے خوش آمدید کہنے آیا لیکن آپ خاموش بیٹھے رہے۔ ایک غلام نے ہمت کر کے پوچھا کہ .... آقائی! آج آپ اتنے رنجیدہ کس لئے ہیں؟ آج تو بڑی خوشی کا دن ہے۔

بولے میں اس لئے فکر مند ہوں کہ مستحق کے حق مانگنے سے پہلے اس کا حق مل جانا چاہئے۔ اگر وہ عرضیوں پر عرضیاں لئے میرے پیچھے دوڑتا رہے اور اپنے حق کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاتا رہے تو میں خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا؟

سہیل بن صدقہ کا بیان ہے عمر بن عبدالعزیزؒ امیر المومنین بنے تو ان کے گھر سے رونے دھونے کا ایک شور اٹھا۔ لوگوں نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ معلوم ہوا گھر میں جتنے لونڈی غلام تھے سب کو آزاد کر دیا گیا ہے۔ امیر المومنین کا کہنا ہے کہ اب مجھ پر وہ بوجھ پڑا ہے کہ میں تم سب سے بے پرواہ ہو گیا ہوں۔ اب تم میں جو آزادی کا خواہش مند ہو وہ آزاد ہے جو رہنا چاہے اس شرط پر رہ سکتا ہے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں! بیوی شہزادی فاطمہ کا بیان ہے کہ حکومت سنبھالنے کے بعد جب بھی گھر آتے نماز پڑھتے رہتے یا روتے رہتے۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا تو جانماز پر ہی پڑ کر سو رہتے آنکھ کھلنے پر پھر وہی رکوع و سجود، وہی گریہ وزاری یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

ابوامیہ گھر میں آتے جاتے تھے۔ انہیں امیر المومنین کے گھر اکثر کھانے پر روک لیا جاتا تھا۔ مسلسل ایک ہی سبزی کھانے کو ملتی۔ ابوامیہ نے کہا کہ ہر وقت یہی ایک چیز یہ کیا بات ہے؟ شہزادی فاطمہ نے جواب دیا ارے بیٹے! تمہارے امیر المومنین کا تو کھانا ہی یہی ہے اس سے کوئی سستی ترکاری ہوتی تو وہی کھانے کو ملتی۔

عون بن معمر کا بیان ہے، ایک دن امیر المومنین مملکت کے کاموں سے فارغ ہو کر گھر میں آئے۔ اپنی شریک حیات سے پوچھا، وہ آئیں تو فرمایا کہ .....

"آج انگور کھانے کو بہت جی چاہتا ہے۔ تمہارے پاس ایک درہم ہو تو منگوالو! کیا زندگی تھی کہ دینار چھوڑ درہم بھی مملکت کی خاتون اول کے پاس نہ تھا"۔

بولیں کہ..... بہت جی چاہتا ہے تو بیت المال سے ایک درہم کے انگور منگوا لیجئے۔ آپ تو امیر المومنین ہیں تمام اختیار تو آپ ہی کا ہے!

جواب دیا.... ہاں کیوں نہیں۔ آج تو یہ بہت آسان ہے۔ کل اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ کم یا زیادہ ہوئے تو یہ بھی امانت میں خیانت!

یہ اب سے کوئی تیرہ سو سال پہلے کی بات ہے۔ آج مملکت کا خزانہ تو اپنا خزانہ ہوتا ہے۔ چاہے جمہوریت ہو یا آمریت، صدر اور وزیر اعظم اور ان کے ساتھی وزراء جی بھر کے ملکی خزانہ لوٹتے ہیں۔ اس کی ایک بدترین مثال بھی پاکستان میں ملتی ہے کہ عوام کا فارن ایکسچینج بھی لوٹ لیتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ لٹیرے مفلس وقلاش نہیں خود بھی کروڑ پتی ہوتے ہیں۔ ساری دولت دین و ایمان کو بیچ کر حاصل کرتے ہیں۔

ایران کی دولت جب مدینۃ النبی ﷺ آئی تو فجر کی نماز کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا..... امیر المومنین چلئے ایران سے آئی ہوئی غنیمت پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

حضرت عمر مسجد نبوی کے صحن میں آئے تو دیکھا سارا صحن زر و جواہر سونے چاندی کے تخت و تاج زیورات اور نوادارات سے بھرا پڑا ہے۔ مورخ حتی **Hitte** کا اندازہ ہے کہ ایک ارب دینار سے زیادہ کی دولت تھی۔ فاروق اعظم بے اختیار رو پڑے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا.... امیر المومنین! یہ تو خوشی کا موقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امت کو غلبہ اور فراز فرمایا ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا... روتا اس لئے ہوں کہ ایک دروازے سے دولت آتی ہے تو دوسرے دروازے سے امانت و دیانت پر لگا کر اڑ جاتی ہے۔

پاکستان بنا تو اسلام کے نام پر لیکن قائد اعظم کے بعد پاکستان کی حکمرانی کن کے حصے میں آئی...

ایک سے ایک بڑا بدعنوان، بدکردار، غاصب، غابن جنہیں نہ اللہ کا ڈر تھا نہ بندوں سے کوئی شرم تھی۔ ان بدبختوں نے ملک کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ کس مملکت کے؟ جو عالم وجود میں آئی تو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت تھی!

حضرت عمر بن عبدالعزیز تین براعظموں پر حکمران تھے۔ ان کی مملکت کا سورج نہ ڈوبتا تھا۔ دنیا کے کسی خطے میں کسی حکمران نے شاید ہی اتنی عظیم مملکت پر حکمرانی کی ہو!

عیدان وہ کا بیان ہے کہ..... خلیفہ وقت نماز جمعہ پڑھانے جاتے۔ جامع دمشق جیسی اس

...ی سب سے شاندار مسجد دلہن کی طرح بنی ہوتی اور امام وقت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ حال ہوتا
...جسم پر ...عزت کے کپڑے تک نہ ہوتے، آگے پیچھے پیوند لگے ہوتے جانے کتنے پیوند! ایک آدمی
...نے ...میں ایک مرتبہ راستے میں پکڑ کر بولا.... امیر المومنین اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے بیت
...المال آپ کے قبضے میں ہے۔ اپنے لئے ایک اچھی پوشاک بنوالیجیے اس سے مملکت کا مال تو کم
نہیں ہوگا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ یہ سن کر دیر تک سر جھکائے کھڑے رہے پھر کہا.... مالداری
...خوشحالی میں سنبھل کر رہنا اور قوت و حکومت حاصل ہو تو اپنے ماتحتوں کو معاف کر دینا زیادہ
افضل و بہتر ہے۔

اس زمانے میں بھی پولیس کے سپاہیوں کا پرا حکمران کے گھر کی پہرہ داری کرتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو فرمایا کہ.... مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا اور موت کا ڈر گناہوں سے بچائے گا! ہٹو بچو کے اس اقتداری فتنے سے اللہ ہی بچائے تو بچائے۔ انسان کا نفس ایسا پھولتا ہے کہ کہیں کا نہیں رہتا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بننے سے پہلے ٹھاٹ باٹ کی بڑے قائل تھے۔ مدینے کی گورنری پر گئے تو سو اونٹوں پر لد کر صرف ان کے کپڑے گئے تھے۔ زمام اقتدار ہاتھ میں آئی تو ذمہ داری کا احساس اس درجہ بڑھا کہ ہر ذوق و شوق بھول گئے۔ اس زمانے میں ان پر ہر وقت خوف الٰہی طاری رہتا تھا۔ سنن ابوداوٗد میں ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ انہیں خلیفہ راشد کہتے تھے۔ خلفائے راشدین کی تعداد کے بارے میں قطعیت کوئی نہیں ہے۔ **ابن عربی نے العواصم من القواصم** میں لکھا ہے کہ اللہ کی رسول کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام خلفائے قریش خلفائے راشدین تھے۔ ان کی تعداد بارہ بنتی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت معاویہؓ، صحابہ کرام میں باقی تابعین ان ممتاز تابعین میں امیر ید، امیر خسروان، امیر عبدالملک، امیر ولید، امیر سلیمان اور امیر عمر بن عبدالعزیزؒ بھی شامل ہیں۔

امیر عبدالملک اور امیر عبدالعزیزؒ دونوں بھائی تھے۔ عبدالعزیز مصر کے گورنر بنے اور عرصے تک کامیابی سے وہاں کا نظم و نسق چلاتے رہے۔ امیر عبدالملک کی بیٹی فاطمہ اپنے چچازاد بھائی عمر سے بیاہی ہوئی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی والدہ فاروق اعظم کی نواسی تھیں۔ اس نسبت اور کردار کی مناسبت کی وجہ سے وہ عمر ثانی بھی کہلاتے ہیں۔ (بشکریہ نوائے وقت)

اقبالؒ کا تصور خودی

مرسلہ سید رحمت اللہ شاہ

اس بیان میں کہ نظام کائنات کی بنیاد خودی ہے اور حیات کے مختلف پیکروں کی تعین اور ان کا ارتقاء خودی کے استحکام پر منحصر ہے

مفہوم: زندگی کا وجود خودی کے آثار میں سے ہے، جو کچھ تو دیکھتا ہے یہ خودی ہی کے اسرار (کا اظہار) ہے۔ جب خودی نے اپنے آپ کو بیدار کیا، تو یہ عالم پندار (دنیا) ظاہر ہوا۔ خودی کی ذات میں سینکڑوں جہاں مخفی ہیں، جب خودی اپنا اثبات یعنی اپنی قوت کا اظہار کرتی ہے تو ایک نیا جہان پیدا ہو جاتا ہے، جو خودی کی ذات سے علیحدہ ہوتا ہے۔ (یوں) خودی نے اپنے آپ کو اپنا غیر سمجھ کر کائنات میں کشمکش کا بیج بویا۔ وہ اپنے آپ ہی سے اپنے اغیار کے پیکر تیار کرتی ہے، تاکہ جدل باہم کی لذت بڑھے۔ پھر وہ اپنی قوت بازو سے (ان میں سے بعض کو) فنا کر دیتی ہے تاکہ اسے اپنی قوت کا ادراک حاصل ہو۔ اس کی یہی خود فریبیاں (یعنی آپ سے اپنا غیر پیدا کرنا اور پھر اسے غیر سمجھ کر فنا کر دینا) عین حیات ہیں پھول کی مانند خون سے وضو کرنا ہی اس کی زندگی ہے۔ وہ ایک پھول کی خاطر سینکڑوں گلشنوں کا خون کر دیتی ہے، (کئی گلشنوں کے تجربوں کے بعد یہ خوبصورت پھول پیدا ہوتا ہے) ایک نغمہ کی خاطر سینکڑوں نالے بلند کرتی ہے (یعنی سینکڑوں [illegible] کے پس منظر سے ایک دلآویز نغمہ ابھرتا ہے)۔ ایک آسمان (کی تزئین) کے [illegible] ہوتی ہے، ایک حرف (مطلب کہنے) کے لئے سینکڑوں انداز بیان لاتی ہے۔ اس [illegible] (بہت سی چیزوں کو بنا کر مٹانے) کا جواز (لذت) تخلیق اور تکمیل جمال [illegible] (حسن کی تسکین) ہے۔ حسن شیریں کوہکن کے دکھ کا جواز ہے، اسی طرح [illegible] نافہ [illegible] نقش کے اتلاف کا جواز ہے۔ پروانوں کی قسمت میں یہ جو سوز پیہم [illegible] مشقت اٹھاتے ہیں، اس کا جواز ایک شمع (روشن) ہے۔ خودی کے قلم سے سینکڑوں [illegible] (آج) کے نقوش بنانے (اور مٹانے) تاکہ ایک (حسین) کل کی صبح سامنے [illegible] سینکڑوں [illegible] ایک محمد ﷺ کا چراغ روشن ہو (یہ [illegible] معنوں کی تمہید ہیں)۔ عمل کی اغراض پوری کرنے کے لئے خودی کبھی عامل بنتی

میں معمول اور بھی اسباب وارائے۔ وہ الجھتی ہے، ابھارتی ہے، اڑاتی ہے، پھیلاتی ہے، جلاتی
جلتی ہے، روشن کرتی ہے، مارتی ہے، مرتی ہے، زندہ ہوتی ہے۔ زمانے کی وسعت اس کی
جولانیوں کا میدان ہے۔ آسمان اس کی گرد راہ ہے (الجھی ہوئی) ایک موج ہے۔ خودی ہی کی
گلکاریوں نے آفاق کا دامن گلوں سے بھر دیا ہے، رات اس کی نیند سے ہے اور دن اس کی
بیداری سے۔ اس نے اپنے شعلہ کو چنگاریوں میں تقسیم کر دیا، آپ عقل ایک ایک چنگاری کو دیکھنے
کے لیے پڑی ہوتی ہے (یعنی عقل کی خبر رکھتی ہے)۔ اس نے اپنے آپ کو ٹکڑے کر کے اجزا
پیدا کر دیے، ذرا آشفتہ ہوئی، تو صحرا بنا دیے۔ پھر آشفتگی سے بیزار ہوئی تو باہم پیوستگی سے پہاڑ
بن گئی۔

مفہوم: اپنا اظہار خودی کی عادت ہے، ہر ذرہ میں خودی کی قوت خوابیدہ ہے (جب وہ بیدار ہوتی ہے تو اپنا اظہار چاہتی ہے۔ خودی قوت خاموش ہے، مگر عمل کے لئے بے تاب ہے۔ وہ عمل ہی کی خاطر اسباب عمل کی پابندی اختیار کرتی ہے چونکہ اس جہاں کی زندگی کا دارومدار خودی کی قوت پر ہے، اس لئے ہر وجود کی زندگی (کا درجہ) اس کی خودی کے استحکام کے مطابق ہے۔ جب قطرہ خودی کا سبق از بر کر لیتا ہے، تو اپنی بے قیمت زندگی کو (قیمتی) موتی بنا لیتا ہے۔ ضعف خودی کے باعث شراب کا اپنا کوئی پیکر نہیں، اسے پیکر اختیار کرنے کے لئے ساغر کا احسان اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر چہ جام شراب پیکر رکھتا ہے، مگر وہ گردش ہم سے ادھار لیتا ہے (یعنی گردش کے لئے ہمارے ہاتھوں کا محتاج ہے)۔ جب پہاڑ اپنے آپ کو چھوڑ دیتا ہے، تو صحرا بن جاتا ہے، پھر دریا کے سیلاب کی شکایت کرتا ہے۔ موج جب تک آغوش بحر میں موج بن کر رہتی ہے، وہ سمندر کے کندھوں پر سوار ہوتی ہے۔ نور نے اپنی خودی سے کام لے کر حلقے کی شکل اختیار کی، تو وہ آنکھ بن گیا، پھر آنکھ نے جلوؤں کی تلاش میں جھپکنا سیکھا۔ جب سبزے نے اپنے اندر اگنے کی قوت پیدا کی، تو اس کی ہمت نے باغ کا سینہ چاک کر دیا۔ شمع نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے منسلک کر لیا اس طرح ذروں سے اپنی تعمیر کی۔

پھر جب اس نے اپنے آپ کو پگھلانا شروع کیا تو اپنی خودی سے دور ہوگئی اور بالآخر آنسو کی طرح اپنی آنکھ سے ٹپک پڑی۔ اگر نگینہ اپنی فطرت میں پختہ تر ہوتا، تو وہ ان زخموں سے بچا

رہتا (جو اسے تراشتے وقت لگتے ہیں) اب اس پر غیر کا نام لکھا جاتا ہے، اور اس کا کندھا دوسرے کے نام کے بوجھ سے زخمی ہوتا ہے۔ چونکہ زمین اپنی ہستی میں محکم ہے (اس نے اپنی خودی برقرار رکھی ہے) اس لئے چاند ہمیشہ اس کے طواف کا پابند ہے۔ چونکہ سورج کا وجود زمین سے زیادہ محکم ہے، اس لئے زمین سورج کی آنکھ سے مسحور ہے (اور اس کے گرد چکر لگاتی ہے)۔ چنار (کی بلند شان) کو دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں، چنانچہ پہاڑ اس کی سطوت کو اپنی دولت سمجھتے ہیں۔ چنار کے لباس کا تارو پود آگ سے ہے کیونکہ اس کی اصل ایک بلند ہمت دانہ سے ہے۔ جب خودی زندگی کی قوت بہم پہنچاتی ہے، تو وہ زندگی کی ندی سے سمندر پیدا کر لیتی ہے۔

اس بیان میں کہ خودی کی زندگی مقاصد کی تخلیق و تولید سے ہے

زندگی کی بقا مقصد سے ہے، مقصد ہی زندگی کے کارواں کے لئے درا کا کام کرتا ہے۔ جستجو ہی زندگی کا راز ہے، آرزو کے اندر ہی زندگی کی اصلیت کا راز پوشیدہ ہے۔ اس لئے تو اپنے دل میں آرزو کو زندہ رکھ، تا کہ تیرا بدن قبر نہ بن جائے۔ آرزو ہی اس جہان رنگ و بو (دنیا) کی جان ہے، ہر شے کی فطرت میں آرزو بطور امانت موجود ہے۔ تمنا ہی سے سینوں کے اندر دل رقصاں رہتے ہیں، اسی کی چمک سے سینے شیشے کی مانند شفاف ہیں۔ آرزو خاک انسانی کو اڑنے کی طاقت عطا کرتی ہے۔ ہمارے ادراک کے لئے آرزو اسی طرح راہبر ہے، جس طرح موسیٰ کے لئے خضر راہبر بنے، سوز آرزو سے دل زندگی پاتا ہے، دل زندہ ہو جائے تو اس کے اندر سے غیر اللہ کے نقوش مٹ جاتے ہیں۔ لیکن جب دل آرزو کی تخلیق چھوڑ دیتا ہے، تو اس کے بال و پر ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور وہ پرواز سے رہ جاتا ہے۔ آرزو ہی خودی کے لئے ہنگامے آراستہ کرتی ہے، یہ دریائے خودی کی ایک بے تاب موج ہے۔ آروز ہی مقاصد کے شکار کے لئے کمند کا کام دیتی ہے۔ اسی سے انسان کے افعال میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔ تمنا ختم ہونے سے زندہ انسان بھی مردہ ہو جاتا ہے، جیسے سوز ختم ہو جانے سے شعلہ افسردہ ہو جاتا ہے۔

مفہوم: ہمارے دیدہ بیدار کی اصلیت کیا ہے، یہ کہ ہماری لذت دیدار نے ایک آنکھ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ چکور نے شوخی رفتار سے پاؤں پائے، بلبل نے ادائے نغمہ کے لئے کوشش کی تو اسے چونچ مل گئی۔ جب بانسری نے زار سے باہر آ کر آباد ہوئی، تو نغمہ اس کے قید

زمانہ سے آزاد ہوا (یعنی اس کے اندر سے نغمے پھوٹے)۔ نادر چیزیں تلاش کرنے والی اور آسمان تک پہنچنے والی عقل کیا ہے؟ کیا تو نے کبھی غور کیا کہ اسے یہ اعجاز کیسے حاصل ہوا؟ (بات یہ ہے کہ) آرزو زندگی کا سرمایہ ہے اور عقل زندگی کے بطن سے پیدا ہوئی ہے۔ قوم کا نظم اور اس کے آئین و رسوم کیا ہیں؟ نئے نئے علوم پیدا ہونے کا راز کیا ہے؟ یہ سب آرزو کے کرشمے ہیں، جب آرزو اپنے زور سے ٹوٹ کر اٹھتی ہے، تو دل کے اندر سے سر اٹھاتی ہے اور کوئی صورت اختیار کرتی ہے (مثلاً) ہاتھ، دانت، دماغ، آنکھ، کان، سوچ، تخیل، شعور، یاد، سمجھ (وغیرہ)۔ جب اس نے اپنا گھوڑا میدان جنگ میں دوڑایا تو یہ سب آلات اپنی حفاظت کے لئے بنائے۔ علم و فن کا مقصد محض معلومات نہیں، اسی طرح چمن سے صرف غنچہ گل حاصل کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ علم زندگی کی حفاظت کا سامان ہے، اور خودی کو مستحکم کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ علم و فن زندگی کے خدمت گار اور غلام ہیں۔ اے وہ شخص جو راز زندگی سے نابلد ہے، اٹھ اور مقصد کی شراب پی کر مستانہ وار اٹھ۔ تیرا مقصد ایسا ہونا چاہیے جو صبح کی مانند روشن ہو، جو غیر اللہ کو جلا دینے والی آنکھ ثابت ہو۔ یہی مقصد آسمان سے بلند تر ہے یہ دل کو لبھانے والا، دل چھین لینے والا، اور دل پر قبضہ کر لینے والا مقصد ہے۔ یہ دیرینہ باطل کو فنا کر دینے والا مقصد ہے، اس کے گریبان میں محشر کے ہنگامے موجود ہیں۔ ہم مقاصد کی تخلیق سے زندہ ہیں (اور) آرزو کی شعاع ہمیں روشن رکھتی ہے۔

اس بیان میں کہ خودی عشق و محبت سے استحکام پذیر ہوتی ہے

مفہوم: وہ نقطہ نور جس کا نام خودی ہے، یہی ہمارے بدن میں زندگی کا شرر ہے۔ یہ (اللہ تعالیٰ کی) محبت ہی سے بھی زیادہ زندہ، زیادہ پائیدار، زیادہ چمکدار اور زیادہ سوزندہ ہوتا ہے۔ محبت ہی سے اس کا جوہر نکھرتا ہے اور محبت ہی سے اس کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اس کی فطرت عشق ہی سے حرارت حاصل کرتی ہے اور عشق ہی سے دنیا کو جگمگا دینے کا طریقہ سیکھتی ہے۔ عشق کو تیغ و خنجر کا کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ اس کی اصل (عناصر) آب و ہوا، خاک سے نہیں۔ عشق کی تیغ جوہر دار آب حیات ہے، اسی سے دنیا میں صلح و آشتی ہے اور اسی سے جنگ و جدل۔ عشق کی نگاہ پتھر کو توڑ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کا عشق انسان کو "بندہ مولا صفات" بنا دیتا ہے۔

(اے مخص) عاشق سیکھ اور اپنے لئے محبوب تلاش کر، مگر اس کے لئے چشم نوح اور قلب ایوب چاہیے۔ کسی کامل کے آستاں پر بوسہ زن ہوکر (اس سے تعلق خاطر قائم کر کے) اپنی مشت خاک کو کیمیا بنالے۔ اپنی شمع کو رومیؒ کی مانند روشن کر اور روم کو تبریزؒ کی آگ میں جلا دے (روم سے مولانا رومیؒ اور تبریز سے ان کے مرشد شمس تبریزؒ مراد ہیں)۔ تیرے دل کے اندر ایک محبوب نہاں ہے، اگر تو نگاہ رکھتا ہے تو آ، میں تجھے دکھاؤں۔ اس سے محبت کرنے والے محبوبوں سے زیادہ حسین، زیادہ خوش وضع، حسین اور محبوب ہو جاتے ہیں۔ آپؐ کے عشق سے دل قوت پاتا ہے۔ اور خاکی انسان کا رتبہ ثریا جتنا بلند ہو جاتا ہے۔ بخد (عرب) کی خاک نے آپؐ کے فیض سے بلند رتبہ پایا اور افلاک تک پہنچ گئی۔ حضرت محمد ﷺ کا مقام مسلمان کے دل میں ہے، حضور ﷺ ہی کے نام سے ہماری آبرو ہے۔ (کوہ) طور آپ کے گھر کے غبار کی ایک موج ہے، آپ کا حجرہ مبارک کعبہ کے لئے بیت الحرم (حرمت کا گھر) ہے۔ ابد آپؐ کے اوقات کے ایک لحہ سے بھی کم تر ہے، (بلکہ) ابد نے آپ کی ذات مبارکہ سے اپنی ابدیت پائی ہے۔ آپؐ خواب راحت کے لئے بوریا کو ممنون فرماتے تھے، (جبکہ دوسری طرف) آپؐ کی امت نے کسریٰ کا تاج پاؤں تلے روند ڈالا۔ آپؐ نے شبستان حرا میں خلوت اختیار کی اور (ایک نئی) ملت، نیا آئین اور (نئے انداز کی) حکومت قائم کی۔ آپؐ نے کئی راتیں بے خوابی میں گزار دیں، تب کہیں جا کر آپؐ کی امت نے تخت خسروی پر آرام پایا۔ جنگ کے دوران آپؐ کی تلوار لوہے کو بآسانی کاٹ کے رکھ دیتی، (لیکن) نماز کے دوران آپؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔ نصرت کی دعا کے ساتھ آمین کہتے ہی نبی کریم ﷺ اپنی تلوار میان سے باہر نکال لیتے (یعنی صرف دعا پر ہی اکتفا فرماتے، بلکہ عملی طور پر کچھ فرماتے)، (چنانچہ) آپؐ کی تلوار نے بادشاہت کا سلسلہ ختم کر دیا۔ آپؐ نے دنیا میں نیا آئین رائج فرمایا (اور) اقوام قدیم کی مسندیں لپیٹ دیں (یعنی ان کی بالادستی ختم کر دی)۔ آپؐ نے دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولا، (واقعہ یہ ہے کہ) زمانہ کے بطن سے آپؐ جیسا کوئی اور پیدا نہیں ہوا ہے۔

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف

تعمیر ملت

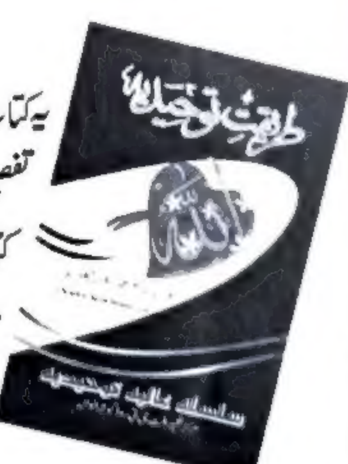
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال...
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا حصول...
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت...
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟...
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے...
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے...

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

چراغ راہ

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ...
اجتماعات پر ارشاد فرمائے انمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور...
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح...
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور...
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے...
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری نے تصوف...
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے...
اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے...
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت...



کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور...
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان...
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت...
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں...